کارخانہ پیسہ اخبار کے نامورانِ عالم کے تذکرات کے سلسلہ میں

قصص الاولین مواعظ الآخرین

سلطان فاتح

فاتح قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح فخر خاندان

آلِ عثمان کی زندگی کے مختصر حالات

از جناب حافظ امام الدین صاحب مدار امرتسری

سنہ ۱۹۲۱ء

[illegible] میاں عبدالعزیز [illegible] طبع شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفاتح

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ؕ

"المامون" مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمۃ کے دیباچہ میں سرسید احمد مرحوم نے نہایت درست فرمایا ہے کہ "یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے ان کاموں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلا دے یا انکو نہ جانے"۔ اسلاف کے کارنامے اخلاف کے لئے فخر و مباہات ہی ہوتے ہیں۔ اور موجب صلاح و فلاح بھی پیش روں کا نقش قدم رہ نوردوں کو تیز گامی پر بھی آمادہ کرتا ہے، اور راہنمائی کا بھی کام دیتا ہے۔ انقلاب عصر کا تباہ کن ہاتھ عظیم الشان سلطنتوں اور پر وقار حکومتوں کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے مرور ایام کا دست ظلم انگیز پر رعب قوموں اور قومی ملتوں کو درہم و برہم کر کے خاک میں ملا دیتا ہے لیکن خوش نصیب وہ قوم خوش قسمت ہے وہ حکومت جس کے لائق افراد اس تباہی کے موقع پر اپنی تاریخ کو محفوظ رکھ لیتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے کارناموں کو تباہ ہونے سے بچا لیتے ہیں۔

حیات ملی کے لئے تاریخ بمنزلہ آب حیات ہے جس قوم کے پاس اسکی تاریخ موجود ہے وہ مردہ بھی ہو تو اسکو مردہ نہ کہنا چاہیئے وہ وقت آکر رہیگا جب اسکی تاریخ

دیسکے لئے مسیحائی کا کام دیگی۔ اور زمانہ دیکھیگا کہ وہ زندہ ہے۔

مسلمانوں نے انہی باتوں کو پیش نظر رکھکر اس معاملے میں جس شغف و انہماک اور کوشش و کاوش سے کام لیا ہے وہ زمانہ میں قابل یادگار ہے اور آج بھی جبکہ چیرہ دستی زمانہ نے بہت سی اعلےٰ خصوصیتیں مسلمانوں سے چھین لی ہیں۔ سرمایہ جس قدر ان کے قبضہ میں ہے قابل رشک ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل اپنی قومی تاریخ سے وہ عام دلچسپی نہیں لیتی۔ جو کبھی مشہور و مختص تھی۔ حالانکہ فی زمانہ جبکہ دنیا کی ساری قومیں ترقی کی دوڑ میں دوسری قوموں کو پامال کرتی ہوئی آگے بڑھ جانے کے لئے سخت جد و جہد کر رہی ہیں۔ اور منجملہ دیگر تدابیر کے اس تدبیر سے بھی کام لے رہی ہیں کہ جس ممکن ہو دوسری قوموں کی تاریخ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں اور ان کے تاریخی آثار کو کچل دیں سخت ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ کی حفاظت میں پوری توجہ اور مستعدی سے کام لیں۔

ہمارے خیال میں مسلمانوں میں تاریخ اسلامیہ سے عام دلچسپی اور اسکی ضرورت کا احساس پیدا کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مشاہیر اور ناموران اسلام کے حالات علیحدہ علیحدہ چھوٹے رسالوں کی صورت میں بکثرت لکھے جائیں۔ تاکہ ان کے ذریعے سے اعلےٰ اور ادنیٰ مالی اور علمی استعداد رکھنے والے افراد قوم یکساں فائدہ اور واقفیت حاصل کر سکیں۔

اس رسالہ کے لکھنے سے ہمارا یہی مقصد ہے جس کا اظہار ہم نے سطور بالا میں کیا ہے۔ اس میں ابوالفتح سلطان غازی محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کے حالات لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم سلطان فاتح کے حالات لکھیں مجملاً اس کے آباؤ اجداد اور سلطنت عثمانیہ کے آغاز و قیام کو بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ اصل واقعات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

سلطان فاتح کے آبا و اجداد اور سلطنت عثمانیہ کا قیام

سلطان فاتح کے آبا و اجداد میں ابو الملوک غازی عثمان خاں اول سب سے
ممتاز و مشہور شخص گذرے ہیں جو سلطنت عثمانیہ کے بانی اور ترک سلاطین روم
کے مورث اعلیٰ تھے ساتویں صدی ہجری کے وسط میں عثمان خاں اپنے والد ارطغرل
خاں نیز اپنی قوم کے ایک گروہ کے ساتھ خراسان سے ارمینیا اور آرمینیا سے دربار
روم[1] میں باریاب ہوئے۔ جہاں خاندان سلجوقیہ کا آخری فرمان روا سلطان
علاؤ الدین کیقباد ثانی بحیثیت حکمران تھا[2]۔ علاؤ الدین کا دار السلطنت شہر قونیہ
تھا۔ عثمان خاں مع اپنے ہمراہیوں کے علاؤ الدین کی نہایت آڑے
وقت پر مدد کی تھی۔ اور اسکو ایک قوی دشمن سے مغلوب ہونے سے بچا لیا
تھا۔ اس لئے علاؤ الدین ان لوگوں کا خاص طور پر احسان مند تھا۔ اس احسان مندی
کا عملی طریقہ سے اس نے یوں اظہار کیا کہ ان لوگوں کو صاحب جاگیر و منصب
کر دیا۔

ارطغرل نہایت اولو العزم اور شجاع شخص تھے اس لئے یہ افواج سلجوقیہ
سپہ سالار مقرر ہوئے۔ اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہو کر انہوں نے سلطنت

---

[1] دربار روم سے مراد ایشیائے کوچک کی اسلامی حکومت مراد ہے ۱۲

[2] حالات بنی عثمان میں جو ایک مصری فاضل کی کتاب کا ترجمہ ہے رکن الدین سوم کو آخری فرمانروائے سلجوقی لکھا ہے۔ اور لکھا کہ مغل بادشاہ غازان نے قونیہ پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ اس وقت تخت سلجوقی کے کسی جائز وارث نہ ہونے کے باعث غازی عثمان خاں مالک تخت و تاج ہو گئے ⁂

کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں ارطغرل کے انتقال کے بعد عثمان خان کو شہرت
حاصل کرنیکا موقع ملا جب علاؤالدین کو معلوم ہوگیا کہ غازی عثمان اپنے باپ کا
سچا جانشین اور وفادار سلطنت ہے۔ تو علاؤالدین نے اس کے لئے خلعت نشان
سفید نقارہ اور ایک فرمان ترکی زبان میں بھیجا جسمیں غازی عثمان کو خود مختار
امیر مقرر کیا گیا تھا۔ سلطان نے غازی عثمان خان کو اوزبک کا خطاب بھی
دیا۔ اور اجازت دی کہ وہ اپنے نام کا سکہ رائج کریں خطبہ میں بھی سلطان کے
نام کے ساتھ عثمان خان کا نام شامل کیا گیا۔ یہ اپنے باپ کے لائق بیٹے تھے۔
باپ نے زمین ہی پر قبضہ پایا تھا۔ بیٹے کو علاؤالدین کے دل پر قابو حاصل ہوگیا۔
علاؤالدین کو بجز ایک دختر کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس نے عثمان خان
کو اپنی دامادی سے سرفراز کرکے سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک انہیں کو
بنا دیا۔ چنانچہ علاؤالدین نے جب وفات پائی تو ارکان دولت کی عام رائے کے
مطابق عثمان خان حکومت سلجوقیہ کے جانشین قرار دیئے گئے۔ یہی جانشینی تھی جو
عظیم الشان ایوان سلطنت عثمانیہ کی خشت اولین ثابت ہوئی

۶۹۹ھ مطابق ۱۲۹۹ء میں عثمان خان تخت سلطنت پر رونق افروز
ہوئے اور اسی روز سے بلا شرکت غیرے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ اور
سلطان کا لقب اختیار کیا۔

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے جن سے عثمان خان کو نبرد آزما ہونا پڑا وہ
بھی ترکوں ہی کی قوم سے تھے یعنی سلجوقی ترک تھے جن کا دعویٰ تھا کہ علاؤالدین
کے بعد تخت ہمارا ورثہ ہے۔ یونانی جو ایشیائے کوچک میں عثمان خان
کے رقیب اور دشمن تھے درپردہ انگوشہ دیتے رہے لیکن عثمان خان کے حسن
تدبیر اور ان کی اولوالعزمانہ کارروائیوں نے ساری منصوبہ بازیوں پر لکیر او ڈالدی

ف حالات بنی عثمان اس قرابت کا مطلق ذکر نہیں ہے ۱۲

البتہ اسی وقت سے عثمانیوں اور یونانیوں میں ایک لا معلوم زمانہ تک کے لئے
بنائے مخاصمت مستحکم ہوگئی۔ خانگی جھگڑوں سے فرصت ہوئی تو عثمان خاں نے
فتوحات کی طرف توجہ کی اور قرہ حصار کو فتح کرکے بجائے قونیہ کے اسی کو اپنا
دارالسلطنت قرار دیا

عثمان خاں نے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ستائیس برس
تک حکومت کرکے ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۶ء میں دنیا سے رحلت کی۔

اقبالمند عثمان خاں مرحوم اور شاہ قسطنطنیہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں لیکن
ہر بار عثمان ہی کامیاب رہے۔ اور اپنے زبردست حریف کے بڑے بڑے اہم
اور وسیع تر مقبوضات کو فتح کرکے اپنی سلطنت سے ملحق کر لئے جس وقت
عثمان خاں نے وفات پائی سلطنت عثمانیہ ساحل بحر اسود تک
وسعت پذیر تھی۔

غازی عثمان خاں کے بعد ان کا لائق فرزند غازی آرخاں سریر آرائے
سلطنت ہوا۔ غازی مرحوم کی بڑی آرزو بروصہ کے فتح کرنے کی تھی جو والی
قسطنطنیہ کا ایک اہم اور مشہور شہر تھا۔ لیکن ان کی یہ تمنا ان کے ہاتھ سے تو
نہیں البتہ آرخاں کی بدولت پوری ہوئی جب مرحوم مرض الموت میں بستر
مرگ پر پڑے تھے تو فتح سن کر نہایت مسرور ہوئے اور خوش ہوکر فرمایا کہ میری
لاش بروصہ ہی میں مدفون ہو اور بروصہ ہی کو آئندہ سے سلطنت کا دارالخلافہ
قرار دیا جائے۔ اس لئے آرخاں نے تخت نشین ہوکر باپ کی وصیت کے
مطابق دارالسلطنت کو بروصہ میں منتقل کر دیا۔

غازی آرخاں چونکہ عثمان خاں کا لائق فرزند تھا۔ اس لئے جب ان کا جانشین
ہوا تو اپنے کو ان کا سچا جانشین ثابت کر دیا۔

خوش قسمتی سے آرخاں کو جو بھائی اور بیٹا ملا تھا وہ بھی نہایت لائق
تھا تخت نشینی کے بعد آرخاں نے اپنے بھائی علاء الدین خاں کو بلایا۔ اور کہا

کہ تم چاہو تو نصف سلطنت تمہارے لئے حاضر ہے مگر علاؤ الدین نے سلطنت
کے حصے بخرے ہونے کو قطعاً نامنظور کیا البتہ ایک سچے خادم سلطنت کے طور پر
وزارت عظمیٰ کی خدمت کو اپنے ذمہ لیا۔ علاؤ الدین نے اس عہدہ جلیلہ پر فائز
ہو کر بڑی خدمتیں انجام دیں۔ رسالوں اور پیدلوں کے نام سے جو فوجیں موسوم
ہیں پہلے پہل اسی کی مرتب کردہ ہیں "ینی چری یا ینگچری" فوج جو عساکر عثمانیہ
میں نہایت ممتاز تھی۔ اسکی قائم کی ہوئی تھی۔

سلیمان پاشا نے جو آرخان کا فرزند رشید اور ولیعہد سلطنت تھا خدمت
سلطنت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اسی بہادر شہزادے نے سنہ ۱۳۳۰ء میں شہر ازنیق فتح کیا تھا۔ جو بروصہ
کے بعد سلطنت عثمانیہ کا پایہ تخت قرار پایا۔

اگرچہ وہ نوعمری کے زمانہ میں گھوڑے سے گر کر انتقال کر گیا۔ لیکن سلطنت
کے استحکام اور وسعت میں اپنا حصہ چھوڑ گیا۔ شہر گولی پولی اور بلسیانہ اسکی
کی یادگاریں ہیں۔

غرض آرخان کا دور حکومت سلطنت عثمانیہ کے لئے نہایت بابرکت ثابت
ہوا۔ آرخان نے ستر سال کی عمر پائی اور ۳۵ برس تک حکومت کی۔ اس اولوالعزم فرمانروا
کے زمانہ سلطنت میں دیگر مقبوضات کے علاوہ مندرجہ ذیل یادو علاقہ جات ملحق
دولت عثمانیہ ہوئے نکومیدیا، نائس، قراسی۔ اول الذکر کی تسخیر سے بحر اسود کی
جانب سلطنت کو نہایت وسعت حاصل ہو گئی۔ متوسط الذکر قسطنطنیہ کے دوسرے
درجہ پر تھا۔ موخر الذکر کی فتح سے ایشیائے کوچک کے تمام مغربی و شمالی حصے پر
ہلالی پرچم لہرانے لگا۔ اسی سلطان کے زمانہ میں صوبہ رومیلیا
پر فوج کشی کی گئی اور بہت سے حصے فتح کر لئے گئے۔

غازی آرخان کے رعب و اقتدار کا سکہ شاہ قسطنطنیہ کے
دل پر ایسا بیٹھ گیا کہ اس نے غازی موصوف کو نہ صرف باضابطہ

بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بلکہ اپنی صاحبزادی ہیلن تھیوڈورا[۱] کی اس سے شادی بھی کردی حالانکہ آرخاں اس وقت ساٹھ (۶۰) برس کا بوڑھا تھا آرخاں کا سنہ وفات ۷۶۱ھ اور ۱۳۵۹ء
ولی عہد سلطنت سلیمان پاشا چونکہ گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو چکا تھا۔ اس لئے غازی آرخاں کے انتقال کے بعد مرحوم کا چھوٹا بیٹا مراد خاں اول مالک تخت و تاج ہوا۔ مراد خاں بھی اولو العزمی اور خردمندی میں اپنے پیش روؤں سے پیچھے نہ تھا۔ اس نے سلطنت یونان پر ایسے ایسے کاری زخم لگائے کہ وہ زندہ درگور کا مصداق بن گئی۔
۷۶۳ھ تک مراد خاں نے یونانیوں کے بڑے بڑے شہروں اور صوبوں یعنی اڈریانوپل۔ فری لیپس۔ مقدونیہ۔ حمص۔ صوفیہ لانیکہ۔ البانیہ وغیرہ پر ہلالی پرچم نصب کر دیا۔ یورپ میں ترکی فتوحات کو وسعت دینے کے لئے سلطان کو ضروری معلوم ہوا کہ پایہ تخت کو کسی ایسے مقام میں منتقل کر دیا جائے۔ جو ارض یورپ میں واقع ہو۔ چنانچہ ایڈریانوپل کو مستقر سلطنت قرار دیا گیا۔ ترکوں کی روز افزوں ترقی نے حضرت پوپ مقدس کے مذہبی جوش کو برانگیختہ کیا۔ مسلمانوں کے خلاف

---

[۱] جناب مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے اپنی کتاب محررات میں اس ملک کے حالات آل عثمان میں پہلی سلطانہ مسیحیہ کے عنوان سے لکھے ہیں۔ لیکن حالات بنی عثمان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غازی عثمان خاں کے عہد میں عیسائیوں نے شادی کی ایک تقریب میں یہ نیت فاسد غازی موصوف کو مدعو کیا تاکہ وہ آئیں تو ان کو قتل کر دیا جائے غازی موصوف کو ایک عیسائی ہی افسر نے جو ان سے ملا ہوا تھا۔ اس راز کو ظاہر کر دیا۔ اس لئے عثمان خاں ہوشیار ہو کر گئے۔ اور عیسائیوں کی تاثیر کو شکست دیکر عروس کو چھین لائے۔ اور اپنے بیٹے اورخاں سے اسکی شادی کردی یہی خاتون نیلوفر کے نام سے مشہور ہے۔ سلیمان خاں مراد خاں اور خداوندگار خاں ہیں بیٹے اسکے بطن سے پیدا ہوئے ۱۲

جہاد کا وعظ شروع کر دیا گیا۔ یہ تیر ایسا نہ تھا جو نشانہ سے الگ پڑتا۔ اکدم سے پانچ عیسائی سلطنتیں یعنے بلگیریا سرویا بوسنیا ہنگری الیشیا ترکوں کا قلع و قمع کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ محبان دین مسیح نے پورے ایک لاکھ کی تعداد سے اڈریا نوپل پر حملہ کردیا جن کے مقابلہ میں مدافعین کی تعداد صرف بیس ہزار تھی لیکن افسوس کہ بے رحم ترکوں نے جنگ شروع ہوتے ہی حملہ آوروں کو اس طرح کاٹنا شروع کیا کہ بہت جلد ہزاروں سرفروشان مسیح موت کے گھاٹ اتر گئے بہت سے مجاہدین دریا میں کود کر شعلۂ حرب سے جان سلامت لے گئے اور بیشمار نذر اجل ہوئے۔

غرض یہ جہاد پیروان مسیح کے حق میں نہایت منحوس ثابت ہوئی اور ترکوں کے لئے اس سے جو نتیجہ برآمد ہوا وہ مختصر طور پر یہ تھا۔ کہ شاہ سرویہ نے چالیس ہزار روپیہ سالانہ اور ایک ہزار سوار خراج دیکر صلح کرلی اور والئی بلگیریا نے اپنی پیاری بیٹی تارخاں کی نذر کرکے مصالحت کی اس جنگ میں بھی بہت سے جدید یورپین مقبوضات ملحق بہ سلطنت عثمانیہ ہوئے۔

سنہ ۷۹۱ھ[1] مطابق ۱۳۸۹ء میں شاہ سرویہ کی تحریک پر پھر یہی پانچوں سلطنتیں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور ترکوں سے دست و گریبان ہوگئیں۔ تعداد کے لحاظ سے اس جنگ میں افواج دول متحدہ کا پلہ بھاری تھا

---

[1] اس سفر میں جو معرکہ ہوا وہ حالات بنی عثمان کے موافق اس میدان میں ہوا جس کا نام قوصوہ تھا۔ یہ معرکہ ان مشہور معرکوں میں ہے جو اسلام اور مسیحیت کے مابین واقع ہوئے۔ ۱۲ حاشیہ صفحہ ۹ بھی اسی جگہ لکھا گیا ہے

[2] حالات بنی عثمان سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر کا بیٹا اپنے باپ سے منحرف ہوکر ترکی شہزادہ سے مل گیا تھا کیونکہ قیصر نے باوجود مستحق ہونے کے اسے ولیعہدی سے محروم کردیا تھا ۱۲

لڈاونوس کو کامیابی پھر بھی ان کے ناموافق رہی۔ ترکوں نے کوہ بلقان اتر کے بلگیریا کا فیصلہ کر دیا۔ شاہ سرویہ کی فوج بھی جو بڑی بہادری کے ساتھ معرکہ آرا ہی تھی کھیت ہو گئی جب نار حرب سرد ہوئی اور میدان کارزار میں سکون ہوا تو مراد خاں کشتوں کے نظارہ کے لیے نکلا۔ مقتولین کو دیکھتا جاتا چلا جاتا تھا کہ ایک مجروح عیسائی نے جو مقتولوں میں پڑا ہوا تھا۔ سنبھل کر اسے تلوار ماری جس کے مہلک زخم سے مراد خاں جاں بر نہ ہو سکا لیکن قبل اس کے کہ مراد خاں داعی اجل کو لبیک کہے شاہ سرویہ اسیرانہ مراد خاں کی خدمت میں پیش ہوا اور مراد خاں کے حکم "بزن" نے شاہ سرویہ کو عدم آباد بھیج دیا۔

مراد خاں نے ۷۱ برس کی عمر میں تیس سال تک سلطنت کرنے کے بعد ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۹ء میں انتقال کیا۔ نہایت شاندار حکومت کی والی قسطنطنیہ نے خوشامدانہ طور پر اپنے بیٹے کو مراد خاں کے لشکر میں بھرتی کرا دیا تھا۔ اور جب شہزادہ قسطنطنیہ نے مراد خاں کے بیٹے کو برگشتہ کر کے اس سے بغاوت کرا دی اور مراد خاں نے اسے قتل کرا کے شہزادہ یونان کو اس کے باپ کے پاس واپس کر دیا تو خود شہنشاہ قسطنطنیہ نے مراد خاں کے خوف سے اپنے بیٹے کی آنکھیں نکلوا دیں۔ سرخ رنگ کے نشان کا استعمال ترکوں میں اسی سلطان کے عہد سے شروع ہوا۔

مراد خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یلدرم[1] بایزید خاں اول تخت نشین ہوا پہلے تو بایزید خاں نہایت جفاکش اور محنتی تھا۔ لیکن تخت نشینی کے بعد نہایت آرام

---

[1] ترکی زبان میں "یلدرم" برق تاباں کو کہتے ہیں۔ شہزادگی کے زمانہ میں بایزید دشمنوں کی صف میں نہایت تیزی کے ساتھ گھس جاتا۔ دشمنوں کو [illegible] کی طرح نکل آتا۔ اسی وجہ سے مراد خاں نے یلدرم [illegible] دیا تھا۔

طلب اور عیاش ہوگیا۔ اسکی عیش پرستی اور آرام طلبی ہی نے دنیائے مسیحیت کو جرات نہ دلائی کہ وہ پوپ روما کے مقدس وعظ جہاد پر ترکوں کے خلاف آمادہ پیکار ہوگئی۔ پوپ صاحب نے ہر اس عیسائی کے لئے آسمانی بادشاہت وقف کردی جو ہنگری اور اسکے ملحقات کو بچانے جائے "! پھر کیا تھا دنیا کے گوشے گوشے سے طالبان مغفرت کی بھرمار ہوگئی۔ بڑی بڑی مسیحی سلطنتیں جو ترکوں کی روز افزوں سرسبزی دیکھکر آتش رشک سے پژمردہ ہورہی تھیں کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے مذہب کی آڑ میں ترکوں کی خونریزی پر کمربستہ ہوگئیں فرانس۔ جرمن۔ بویریا۔ آسٹریا کی فوجیں بڑی بڑی تعداد کے ساتھ والئی ہنگری کی امداد کے لئے آموجود ہوئیں۔ اور ساحل دریائے ڈینیوب پر ترکوں سے دست وگریباں ہوگئیں۔

ترکی کے سارے عیسائی صوبے منحرف ہوگئے تھے۔ صرف سرویہ جادہ اطاعت پر قائم رہے جو بایزید کی تخت نشینی کے زمانہ میں بایزید کیساتھ اپنی بہن کی شادی کرکے نیز خراج سلطنت ادا کرنے کے وعدہ پر مستحکم صلح کرچکا تھا صلیبی مجاہدوں نے اس کا ذرا برابر خیال نہ کیا کہ اہل سرویہ ہمارے ہی ہم مذہب ہیں اور تاہم بنا مذہبی جوش میں آکر اپنے دینی بھائیوں کو کچل ڈالا۔ اس کے بعد یہ بہادر گروہ وڈن نامی ایک ترکی قصبہ کو مسخر کرتا ہوا سلطنت عثمانیہ پر آدھمکا۔

بایزید خاں عیش وعشرت میں مشغول تھا۔ کہ اسکو ان واقعات کی خبر ہوئی اسی وقت سارے سامان راحت کو خیرباد کہا اور ایک جرار لشکر کے ساتھ عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے آموجود ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عروج واقبال ترکوں کے یاور تھے جس طرف رُخ کرتے تھے۔ فتح ونصرت بڑھ کر قدم بوس ہوتی تھی۔ اس حرب صلیبیہ میں بھی ہلال کا سر بلند پرچم سربلند رہا جب ترکوں کی تیغ بے نیام میدان کارزار میں پوری سرگرمی کے ساتھ مصروف کار ہوئی اور ہاتھ بڑھے

عرصہ میں ہزاروں مجاہدین مسیح ڈھیر ہو کر رہ گئے تو بڑے بڑے مرد میدان جوانمردوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مگر ترکوں کی گرفت سے بچ کر نکل جانا دشوار تھا اس لئے کثیر تعداد قیدی ترکوں کے ہاتھ آئے جو قریباً دس ہزار تھے تین سو کے قریب تو ان میں متعدد سلطنتوں کے نامی گرامی سردار اور شہزادے تھے اس شاندار فتح کے بعد بایزید کے سرداروں نے آسٹریا اور ہنگری کو خواہ مخواہ کی چھیڑ کی قرار واقعی سزا دی سنہ ۷۹۶ھ میں بایزید خاں نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی۔ اور بہت کچھ کامیاب بھی ہوا۔ لیکن آخر میں شہنشاہ قسطنطنیہ کی درخواست پر صلح کر لی۔

بایزید خاں نے بھی بہت سے جدید مقامات مثل تھسلی تھریا بلی ملا کر اس فوسس بوسنیا۔ کارنتھ ہلا پونس سکونیا۔ سینیا۔ ایکیبا۔ آرگوس ایلس وغیرہ وغیرہ کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کو بہت کچھ وسعت بخشی سنہ ۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۷ء میں شہر ایتھنز ترکوں کے زیر اقتدار آگیا۔ سنہ ۸۰۰ھ مطابق ۱۴۰۰ء میں بایزید خاں نے فرمانروائے قسطنطنیہ کو پھر دھمکی دی۔ جس سے خائف ہو کر فرمانروائے مذکور نے درخواست صلح کی۔ اور سلطان کے دربار میں بہت سے نادر تحائف ارسال کر کے خراج دینا منظور کر لیا۔ بلکہ ایک سال کا خراج پیشگی حاضر کر دیا۔ سلطان نے اسکی درخواست اس شرط پر منظور کی کہ قسطنطنیہ میں مسلمانوں کو سکونت کی اجازت دیجائے اور وہ وہاں اپنی مسجد بنا سکیں۔ اپنا قاضی مقرر کر سکیں اور انکے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں مطلقاً کسی طرح کی روک ٹوک نہ کی جائے۔

تقریباً دو برس تک متعدد فتوحات حاصل کرنے کے بعد سلطان بایزید نے حملہ قسطنطنیہ کی تیاری شروع کی تھی۔ کہ امیر تیمور گورگانی اور بایزید سے لڑائی چھڑ گئی۔ اور اسی لڑائی میں بایزید خاں بدقسمتی سے گرفتار ہو گیا جس جگہ پانچ سال [illegible] مطابق [illegible]

مصطفےٰ خاں نے جو باپ کے ہمراہ نظر بند تھا باجازت امیر تیمور بایزید کی نعش کو سابق دارالسلطنت شہر بروصہ میں دفن کیا۔ اس سلطان کو متوکل بن معتصد خلیفہ عباسی نے سلطان الاقالیم روم کا خطاب دیا تھا۔ اور امیر بخارا نے مبارکباد اور مرصع تلوار ہدیتہً بھیجی تھی۔ سلطان مرحوم نے اپنے ابتدائی عہد حکومت ہی میں علاؤ الدین کو فتح کرکے قیصر کے ایشیائی مقبوضات کا کلیتہً خاتمہ کردیا۔

سلطان بایزید خاں کے کئی بیٹے تھے جو سلطان موصوف کے بعد حصول سلطنت کے لئے باہم دست و گریباں ہوگئے۔ چنانچہ اس خانہ جنگی کا مرحوم کا تیسرا بیٹا سلطان محمد خاں اول ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۱۳ء دولت عثمانیہ کا مستقل فرمانروا ہوا۔ اطمینان حاصل ہونے کے بعد سلطان نے ان تمام مفسدین کی خبر لی جنہوں نے خانہ جنگی کے زمانہ میں شرارتیں کی تھیں۔ اس طرح کے اندرونی و بیرونی دونوں دشمنوں کی گوشمالی کی آل عثمان میں یہ پہلا فرمانروا تھا جس نے حرمین شریفین کے لئے سالانہ رقم جاری کی۔

سلطان محمد خاں مرحوم کے بعد اس کا بیٹا سلطان مراد خاں دوئم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ بوقت تخت نشینی مراد خاں ثانی کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ اس لئے قیصر روم نے اسکی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور مراد خاں دوئم کے چچا مصطفےٰ خاں کو جو عرصے سے اس کے

۴ سلسلہ گیارہ برس تک قائم رہا۔ آخر الامر نہایت جد و جہد کے بعد سلطان

۵ محمد اول کا بھائی تھا۔ زمانہ جنگی ناکام ہوکر قیصر کے پاس پناہ گزین ہوگیا محمد خاں نے قیصر سے مصطفےٰ خاں کو طلب کیا۔ مگر اس نے دینے سے انکار کردیا۔ البتہ وعدہ کیا کہ مصطفےٰ خاں نظر بند رکھا جائیگا اور اسکو کسی فساد کا موقع نہ ہوگا۔ چنانچہ سلطان نے بھی یہ بات منظور کرلی تھی۔ اور بھائی کے مصارف کیلئے معقول وظیفہ دیا کرتا تھا ۱۲

ہاں نظر بند تھا رہا کر دیا۔ اور اس آزادی کے معاوضہ میں بہت سے عثمانی مقبوضات دینے کا وعدہ لیا مصطفیٰ خاں نے حصول سلطنت کے لئے نہایت جدوجہد کی اور ابتداءً اسے کامیابی بھی ہوئی لیکن بالآخر مصطفیٰ خاں کو کامل طور پر ناکامی ہوئی اور جان سے مارا گیا۔

مراد خاں اس فتنۂ جدیدہ سے فارغ ہو کر بجانب قسطنطنیہ متوجہ ہوا۔ ۸۲۶ھ مطابق ۱۴۲۲ء میں ۲۰ ہزار جرار فوج کے ساتھ اس مشہور و معروف دار السلطنت پر حملہ آور ہوا۔ سلطان مراد کا یہ حملہ ایسے ایسے حیرتناک ساز و سامان و مستعدی و عقلمندی کے ساتھ ہوا تھا۔ جس سے فتح کا بہت کچھ امکان ہو گیا تھا مگر چونکہ یہہ دوامی شہرت اور عظیم الشان کامیابی محمدؐ خان ثانی کی تقدیر میں روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے سلطان مراد خاں کو بے نیل و مرام محاصرہ قسطنطنیہ سے دست بردار ہونا پڑا۔

سلطان مراد خاں نے تیس برس تک سلطنت کی اس عرصہ میں اسکو بڑی بڑی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ زیادہ تر اس کا مقابلہ یورپ کی متفقہ سلطنتوں سے رہا۔ لیکن باستثنار ایک آدہ مرتبہ کے ہر بار بلند اقبال مراد ہی مظفر و منصور رہا۔ پوپ مقدس نے بھی اسیر کئی بار توجہ عالی مبذول فرمائی۔ لیکن مراد خاں کی بہادر فوج نے ہر دفعہ کامیابی حاصل کرنے میں کسی کو تاہی کی چنانچہ ۸۴۸ھ مطابق ۱۴۴۴ء میں جو عظیم الشان نام نہاد صلیبی جنگ دنیائے مسیح نے ترکوں سے کی خاص حضرت پوپ کی بیکراں سعی کا نتیجہ تھی۔ اس میں علاوہ ان کثیر التعداد جانی و مالی و ملکی نقصانات کے جو مجاہدین عیسوی کو برداشت کرنے پڑے۔ پوپ مقدس کے برگزیدہ نائب کی جان گرامی نیز بہت سے دیگر بشپوں کی گرانقدر جانیں ضائع گئیں۔

مراد خاں میں شجاعت بہادری اولوالعزمی جیسی لطف جو ہیا

جس طرح موجود تھیں۔ رحمدلی صلح جوئی بے تعصبی وغیرہ وغیرہ صفتیں پائی
جاتی تھیں وہ اپنی عام رعایا کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا تھا۔ اور مسلمانوں اور
غیر مسلمانوں میں تفریق کو روا نہیں رکھتا تھا۔ مراد خاں اہل یورپ کی بدعہدی اور
ان کے تعصب بیجا کے سبب سے ان سے سخت متنفر تھا۔ خصوصاً قیصر روم
سے جو شرارت اور دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے ہی نہ دیتا تھا۔ اس لئے
۸۵۵ھ میں جب مراد خاں کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے اپنے
بیٹے محمد خاں خلف کو فتح قسطنطنیہ کی وصیت کی گئی وہی ہیں۔ جن کے حالات میں
یہ رسالہ لکھا جا رہا ہے۔

ابوالفتح غازی سلطان محمد خاں ثانی کی ولادت اور ان کے ابتدائی حالات

سلطان محمد خاں فاتح کی ولادت باسعادت ۲۱ ماہ رجب
مبارک مطابق ۲۶ مارچ یوم یکشنبہ ۸۳۳ھ موافق ۱۴۲۹ء
میں واقع ہوئی

جب محمد خاں اس قابل ہوئے کہ ان کی تعلیم و تربیت کرائی جائے
تو بڑے بڑے لائق و فائق استادوں کی شاگردی میں نہایت اہتمام
کے ساتھ ان کی تعلیم شروع کرائی گئی۔ قسام قدرت نے محمد خاں کو جو
دل و دماغ عطا فرمائے تھے وہ ان جیسے ہونہار اور خوش بخت آئندہ شہزادہ
کے لئے ہر طرح مناسب اور موزوں تھا وہ تحصیل علوم کے نہایت شائق اور
دلدادہ تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ علاوہ اپنی مادری زبان ترکی کے پانچ دیگر زبانوں
میں مہارت تامہ رکھتے تھے عربی فارسی عبرانی لاطینی یونانی نہ صرف ان میں تحریر و تقریر

سب پر یکساں قابو رکھتے تھے۔ محمد خاں کی عمر جب ۱۴ سال کی ہوئی تو ان پر سلطنت کا ناقابل برداشت بار ڈالا گیا۔ علاءالدین خاں ولیعہد سلطنت عثمانیہ کے جوان مرگ نے سلطان مراد خاں کو دنیا سے اسقدر دل برداشتہ کر دیا کہ ۱۴۴۴ء میں وہ محمد خاں کو اپنا جانشین کر کے خود عزلت گزین ہو گیا۔

دنیائے مسیح کو خبر ہوئی کہ اب آل عثمان کا قافلہ سالار محض ایک طفل چہاردہ سالہ ہے اور اب اکلوتے فارکر یورپ سے ایک بیٹی دور دور گوشہ نکال دینے پر آمادہ ہو گئی۔

عثمانیوں کے کرم فرمایاں قدیم نائب پوپ مقدس اور جناب قیصر کی ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔ شاہ ہنگری کو جس سے مراد خاں سے دس برس تک کیلئے صلح ہو گئی تھی اور طرفین نے قرآن و انجیل سے کر قسمیں کھائی تھیں کہ اس معاہدہ کی پابندی بطور فرائض مذہبی کے کرینگے) لکھا گیا کہ ایسے موقع پر جبکہ ترک کمزور اور ان کا بادشاہ گوشہ نشین ہے ان کی کونسلوں کو یورپ سے نیست و نابود کر دینا قرین مصلحت ہے۔ حضرت نائب پوپ نے یہ بھی فتویٰ دیدیا کہ مسلمان کافر ہیں۔ انکے ساتھ کسی عہد کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ "مقدس پوپ اسی پر کتفا نہیں کیا بلکہ بحیثیت بہشت و دوزخ کے مالک ہونے کے حضرت نے یہ بھی لکھا کہ اگر ہمارے فرمان میں تجھے کچھ تردد ہو تو ہم پوپ کے مذہبی منصب کی رو سے خسر الدنیا والآخرۃ سے نجات دلوانے پر آمادہ ہیں"

یہ کوئی معمولی جادو نہ تھا جو بے اثر رہتا۔ پوپ مقدس کا فقرہ پوری طرح چل گیا۔ شاہ ہنگری نے جس نے انجیل پاک لیکر دس برس تک بطور فریضہ مذہبی صلح کے قائم رکھنے کی قسم کھائی تھی دس ماہ تک بھی معاہدہ کی

نکال دینا آسان ہی نہیں بلکہ یقینی ہے تو وہ ہر طرح ترکوں کو یورپ سے

پابندی نہ کی اور صحیفہ دینی کی تقدیس و تعظیم کو پس پشت ڈال کر یوم صلحنامہ کے ایک ماہ میں ۔ وزنیدا ایک جرار لشکر لے کر بے خبر اور سیدھے سادھے ترکوں پر ٹوٹ پڑا۔ ان حملہ آور عیسائی فوجوں میں دوسری مسیحی سلطنتوں کی بھی فوجیں شامل تھیں جو ایک ساتھ دریائے ڈنیوب کو عبور کر کے ترکی قلعوں کو تباہ و برباد اور انکی فوجوں کو بیدریغ تہ تیغ کرتی ہوئی وارنا تک پہنچ گئیں جو بحر اسود کے کنارے پر ایک ترکی شہر ہے۔

ادہر سلطان مراد خان مجبوری گوشہ تنہائی سے نکل کر میدان میں آچکا تھا۔ چنانچہ طرفین سے خونریز لڑائی شروع ہو گئی۔ سلطانی لشکر میں قبل از جنگ ایک جدید قسم کا دو شاخہ پھریرا اونچا کیا گیا جسکی ایک شاخ پر صلح نامہ آویزاں تھا۔ اس کارروائی سے ترکوں کا مطلب یہ تھا کہ مخالفین اپنے قابل احترام معاہدہ کی حرمت کو ملحوظ رکھکر بیجا خونریزی سے باز آئیں مگر عیسائی لشکر جو نشہ کبر و نخوت میں مخمور تھا اور اپنی کثرت تعداد کے بھروسہ پر "جنگ دو سرا رد" کے مشہور مقولہ کو بالکل فروگذاشت کر چکا تھا ترکوں سے مصروف پیکار ہو گیا اور شروع میں اس کی امید کے موافق کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ لیکن عین اس وقت جبکہ عیسائی مجاہدین بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دے رہے تھے اور گھس گھس کر ترکوں سے لڑ رہے تھے۔ ترکوں نے گھیر کر سرخیل گروہ عیسویہ کا سر کاٹ لیا۔ جس ہیبت خیز اور عبرت انگیز عمل نے پہلے مجاہدین مسیح کے غیر متزلزل عزم و استقلال پر مطلق اثر نہ کیا تھا۔ اسی کی دوسری شاخ پر جب شاہ ہنگری کا سر بریدہ بلند نظر آیا تو سارے اثبات و عزائم کافور ہو گئے جس نے جب موقع پایا میدان حرب سے جان بچا کر بھاگا اور جو بچا ترکوں کی تیغ بے پناہ کی نذر ہوا

اس جنگ میں ترکوں کے ہاتھ جسقدر مال غنیمت آیا پہلے کبھی نہ آیا تھا سرویا از سر نو ملحق بہ سلطنت عثمانیہ ہو گیا۔ آرٹھ . : کا قا ۱۴۶۵ء مشغر

[illegible]

قلعے بوسینیا میں ترکوں کے ہاتھ سے مسخر ہوئے اور خاندان شاہی کلیۃً نیست و نابود ہو گیا۔

سلطان کو اس جنگ سے فارغ ہو کر اسکندریہ بک نامی ایک نومسلم باغی سلطنت سے الجھنا پڑا۔ ابھی اس سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ سلطنت ہنگری کے ایک جنرل جان ہونیاد نے کئی یورپین امراؤ کو اپنا شریک بنا کر رومیلیا پر حملہ کر دیا۔ سلطان نے بھی خبر پاتے ہی مقابلہ کی تیاری کی اور میدان قوسوہ میں عیسائیوں سے معرکہ آرا ہوا۔ تین دن تک زبردست لڑائی لڑنے کے بعد ہونیاد کو بھگا دیا۔ میدان جنگ سے کامیاب واپس آ کر سلطان نے ایڈریانوپل میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اس کے دو برس کے بعد ۸۵۳ھ میں محمد خان ثانی کی شادی اسکندریہ بک کی بیٹی سے ہوئی۔

جب ترکوں کے دشمنوں کو پوری شکست ہو چکی اور میدان جدال و قتال میں اچھی طرح امن و سکون کا عمل و دخل ہو گیا۔ تو ۸۴۹ھ مطابق ۱۴۴۵ء میں سلطان مراد خان نے دوبارہ عزلت گزینی اختیار کی اور محمد خان سریر آرائے سلطنت عثمانیہ ہوئے۔ اب بھی چونکہ محمد خاں کی عمر ۱۵ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے پھر سلطنت کے گراں ترین بار کو نہ اٹھا سکے۔ اور بوجہ کم سنی اور ناتجربہ کاری کی پہلی دفعہ کی طرح آپ کی مرتبہ بھی ناکامیاب رہے۔ محمد خان کی ناکامی کے جواب تھے۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ ان کی ذاتی کمزوری اور ناتجربہ کاری کا بھی ان میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور تھا۔

لیکن یہ کوئی عیب نہیں معلوم ہوتا جب کہ تقاضائے سن تھا۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ سلطنت عثمانیہ کے بار گراں کو پانزدہ سالہ محمد خان نہ برداشت کر سکے تو یہ انکی کمسنی کا باعث نہ تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی محمد خان کے ناکامیاب ہونے کا بڑا سبب دولت عثمانیہ کے بیرونی دشمنوں کا فساد اور اندرونی شریر النفسوں کا فساد بھی تھا۔ دولت عثمانیہ کی نسبت اس کے ہمسایہ

یورپین سلطنتوں کا جو طرز عمل تھا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اس کے پڑھ لینے کے بعد ناظرین کے نزدیک یہ سمجھ لینا آسان ہے۔ کہ سلطنت عثمانیہ کی باگ کے لئے کیسے ہی قومی ہاتھ کی ضرورت تھی اور صرف پندرہ برس کی نوعمر محمد خان کے ہاتھوں میں کتنی قوت رہی ہوگی۔

ترکوں کی اپنی جبری فوج کی بھی عجیب حالت تھی۔ چونکہ اس کا تعلق سلطان وقت سے نہایت گہرا ہوتا تھا اور اس کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ انحصار اسی فوج پر ہوتا تھا اس لئے اس کی عادت تھی۔ کہ جب کسی سلطان کو کمزور دیکھتی تو شرارتوں پر کمربستہ ہو جاتی۔ چنانچہ حسب عادت محمد خان کو کمزور دیکھ کر اس فوج نے سرکشی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ پھر محمد خان کو تخت سلطنت سے کنارہ کش ہونا اور مراد خان کو کنج تنہائی سے باہر آنا پڑا

اس عزل و نصب کے بعد چھ برس تک محمد خان بحالت ولیعہدی سلطنت کے مختلف شعبوں میں تجربات حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مراد خان نے ہمیشہ کے لئے تخت خالی کر دیا۔ اور وقت آگیا ہے کہ جس کی حالت سے بھی ممکن ہو محمد خان سریر سلطنت کو زینت دیں۔

سلطان محمد خان فاتح کی مستقل تخت نشینی اور بعد کے واقعات

دو مرتبہ کی تخت نشینی اور معزولی کے بعد اکیس برس کے سن میں کی دس اور فروری کی نو تاریخ ۸۵۵ھ مطابق سنہ ۱۴۵۱ء کو محمد خان مستقل طور پر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ سلطان کی تخت نشینی کے بعد امیران اناطولیہ نے سر اٹھایا اور چاہا کہ آل عثمان نے ان کے جن مقبوضات کو فتح کر لیا تھا

انہیں واپس کریں۔ چنانچہ سلطانی فوج اور ان امیروں سے کئی خونریز معرکے ہوئے۔ لیکن آخر کار سلطان غالب آئے اور امراء اناطولیہ نے پھر اطاعت قبول کرلی۔ اس زمانہ میں جب کہ محمد خان ثانی نے عنان حکومت ہاتھ میں لی ہے۔ ایشیا میں ابن کرماں کے ملک اور شہر سینوپ اور حکومت ٹنکے باقی تمام ممالک عثمانیہ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اور یورپ کے خطہ میں حکومت قسطنطنیہ خود مختیار مملکت تھی اور بلاد مورہ دپلوپینز متعدد یونانی اور لاطینی امرا کے درمیان منقسم تھے البانیہ پر اسکندر بیگ قابض تھا اور سرویہ باجگذار تھی۔ بوسنیا خود سر تہا۔ ان کے سوا ہر جگہ عثمانی سلطنت کا قبضہ تہا۔ شاہ قسطنطین یازدہم والی قسطنطنیہ نے جو اپنی آنکھوں سے محمد خان کی گذشتہ ناکامیابیوں کو دیکھ چکا تہا اور جو خود بھی سرپرست سلطنت مراد خان کی مزاحمت کے باعث ترکوں سے فائدہ اٹھانے میں ناکام ہو چکا تہا۔ سلطان محمد خان کو پہلے جیسا ہی نالائق اس پر ستزادیہ کہ تنہا سمجھ کر۔ اس سے مستفید ہونا چاہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ سلطان محمد خان اب ویسے نہ تھے۔ جیسے کہ چھ برس قبل تھے۔ واقعات عالم نے ان کو اچھی طرح پختہ کار کر دیا تہا۔

قیصر روم نے اس طرح چھیڑ چھاڑ شروع کی اپنا ایک ایلچی بارگاہ سلطانی میں بھیجا۔ کہ شہزادہ آرخاں کی تنخواہ میں اضافہ کی درخواست کرے ایلچی مذکور نے دربار میں پہنچکر قیصر کو پیغام دیا۔ کہ اس گستاخانہ پیغامات لہجہ میں کہ "اگر سلطان نے حسب خواہش اضافہ منظور کیا تو ہمارا شہنشاہ آرخاں کو مجاز کر دیگا۔ اور وہ جس طرح چاہے۔ سلطنت عثمانیہ کو درہم و برہم

سلہ یہ شہزادہ سلطان بایزید یلدرم کے اس بیٹے کی اولاد سے تہا جو قیصر کی نظر بندی میں تہا اور جس کے سلئے دولت عثمانیہ کے یہاں سے وظیفہ مقرر تہا۔

کرکے تاج وتخت پر قابض ومتصرف ہو جائے اور اپنے حقوق کو بزور و جبر حاصل کرے"۔

سلطان محمد خان اسوقت دارالسلطنت اڈریانوپل سے دور ایشیا ئے کوچک کے سرکشوں کی سرزنش میں مصروف تھے۔ وہیں ان کو اس امر کی اطلاع ہوئی۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ قیصر کی خواہ مخواہ کی چھیڑ چھاڑ سے مشتعل ہوتے بقتضائے وقت صلح جویانہ حکمت عملی سے کام لیا اور نہایت صبر و سکون کے ساتھ اس موقع کو ٹال دیا۔

سلطان صرف اس کارروائی کے بعد خاموش ہوکر بیٹھے نہیں رہے بلکہ ایشیائی مہم سے جلد جلد فراغت حاصل کرکے آنے والے وقت کے مقابلہ کی طیاری میں مشغول ہوگئے ادھر شاہ قسطنطین کا بھی یہ حال تھا۔ کہ درخواست پر درخواست بھیجتا تھا۔ بالآخر سلطان محمد خان نے چار و ناچار جواب دیدیا کہ "شہزادہ آرخان کی مقررہ تنخواہ کلیتۃً ضبط کرلی گئی"۔

شاہ قسطنطین اس صبر شکن جواب دینے سے بالکل بھڑک اٹھا اور سلطان کے پاس کہلا بھیجا کہ اب وہ وقت دور نہیں جب کہ آرخان کو لاکر "اڈریانوپل میں سریرآرائے سلطنت کردیا جائیگا"۔

جس کے جواب میں ترکی وزیراعظم خلیل پاشانے دربار یونان کو تہدید آمیز لہجہ میں تنبیہ کی کہ تمہارے بادشاہ نے ایسی بیجا روش اختیار کررکھی ہے جس کی سخت سزا یقیناً بہت جلد اُسے بھگتنی پڑیگی۔

اس زبانی نوک جھونک کے ساتھ عاقبت اندیش سلطان نے عملی کارروائی بھی شروع کردی۔ ساحل باسفورس پر ایک عظیم الشان قلعہ موسومہ "رومیلیا حصار" تعمیر کرانا شروع کیا جس کے بالمقابل آبنائے مذکور کے دوسرے کنارے پر سلطان محمد خان اول محمد خان ثانی کا جد امجد ہوا ایک زبردست قلعہ اناطولیہ حصار نامی پہلے سے موجود تھا۔ قلعہ رومیلیا

حصار، تین ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل ہو گیا جس میں تین ہزار آدمی سرگرمی کے ساتھ روزانہ کام کرتے تھے یعنی ایک ہزار معمار اور دو ہزار معمولی مزدور۔
جب رومیلیا حصار تیار ہو چکا اور اس پر بڑی بڑی مہیب و مہلک توپیں نصب کی جانے لگیں تو والی قسطنطنیہ بغرض مزاحمت پس پردہ وہاں کے مسیحی جاگیرداروں و دہقانوں کو ترکوں کے خلاف ابھارنا شروع کیا۔ لیکن جب ترکوں نے ان کی اچھی طرح سرکوبی کر کے ان کے فسادات کا قلع قمع کر دیا۔ تو خود بانی فساد قیصر عازم جنگ ہوا اور دونوں طرف آئندہ ہونیوالی سخت وشدید لڑائی کے انتظامات شروع ہو گئے۔ فرمانروایاں و دل تخاصمین نہایت پراگندہ خاطر تھے شہنشاہ قسطنطین مضطرب تھا تو سلطان محمد خان پریشان ادھر و لجمعی نہ ادھر اطمینان" دونوں طرف عجیب انتشار کا عالم تھا۔
قیصر مذہب کا حوالہ دیکر دنیائے مسیح سے خواستگار امداد ہوتا۔ کبھی آسمانی فرشتوں سے مدد چاہتا۔ سلطان کا بھی یہی حال تھا۔ کہ شبانہ روز جنگ ہی کے تفکرات میں غلطاں پیچاں رہتے بھیس بدل کر لشکر میں جاتے اور سپاہیوں کے خیالات دریافت کرتے۔ دارالسلطنت کے گلی کوچوں میں رعایا کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے خفیہ طور پر گشت لگاتے۔ بڑے بڑے ماہرین جنگ اور کاملین فن انجنیری کو سامنے بٹھا کر شہر قسطنطنیہ کا نقشہ کھینچتے۔ پھر ان لوگوں سے پوچھتے کہ شہر پر حملہ کس طرف سے کیا جائیگا۔ فصیل پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کس جگہ لگائی جائیگی توپیں کس مقام پر نصب ہونگی۔ سرنگ کہاں لگائی جائیگی۔
یہ سب صلاح و مشورے شب میں ہوتے اور دن میں فرضی طور تجربے کئے جاتے۔
طرفین کی اسی ادھیڑ بن و مستعدی میں ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء

کا موسم خزاں گذر گیا۔ اور موسم بہار شروع ہوا۔ جوں جوں دن گذرتا جاتا تھا۔ محمد خان کی جنگی تیاریاں ترقی کرتی جاتیں تھیں جنہیں دیکھکر قیصر نہایت گھبرایا اور پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے کام لینے لگا پوپ آف روما سے عاجزانہ درخواست اعانت کی۔ حالانکہ قبل ازیں وہ پوپ موصوف کو خیال میں نہ لاتا۔ حتیٰ کہ گرگین چرچ اور کلیسائے روم" میں میل و موافقت کو بھی گوارا نہ کر سکتا تھا ضرورت انسان سے وہ کرا کر چھوڑتی ہے جسے انسان اپنے لئے موجب عار سمجھا رہتا ہے قیصر کو خوب معلوم تھا کہ ترکوں کے مقابلہ میں دارالسلطنت کی حفاظت کے لئے کس قدر فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پوپ نے قیصر کی درخواست امداد پر جب یہ ناگوار شرط پیش کی کہ آئندہ سے دونوں کلیساؤں میں اتحاد رہیگا۔ تو قیصر نے اس کو بسر وچشم قبول کر لیا اس کے بعد پوپ صاحب نے ایک جرار فوج بغرض حفاظت قسطنطنیہ قسطنطین کے پاس بھیجی قیصر نے علاوہ پوپ موصوف کے دیگر ممالک سے بھی مدد کے لئے درخواست کی جسے حوصلہ افزا جواب بھی پایا۔ وہاں کے اٹلی و سپین نے بھی مذہبی اتحاد و تجارتی اغراض کی بنا پر کثیر التعداد فوج بھیجی۔ باشندگان اریگان۔ کیٹیلا اور وینیشیا" نہایت کثرت سے باقاعدہ و التزام بن کر قسطنطنوی فوج میں بھرتی ہوئے۔

قسطنطنیہ جیسے قدرتی محفوظ شہر کے لئے وہاں ایک لاکھ باشندے بہت کچھ کار آمد ہو سکتے تھے۔ لیکن ذلیل معاہدہ کے سبب جو وا لئے قسطنطنیہ اور پوپ آف روما کے مابین ہوا۔ اہل قسطنطنیہ اس قدر ناخوش ہوئے۔ کہ ایک لاکھ باشندوں میں صرف نو ہزار قیصری جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ تاہم امدادی فوجوں کی مجموعی تعداد یہاں تک پہنچگئی تھی جو حفاظت دارالسلطنت کے لئے خیال کیجا سکتی ہے۔

محاصرہ قسطنطنیہ

سلطان محمد خان ثانی نے جب وسیع پیمانے پر قسطنطنیہ کا سامان مکمل کرلیا یعنے بہت سے چیدہ چیدہ سپہ سالار عظیم الشان توپ خانہ اور زبردست بحری بیڑہ فراہم کرلیا تو ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں بغرض محاصرہ قسطنطنیہ نہایت جوش وخروش کے ساتھ ایڈریانوپل سے نکلے۔

بیڑہ جہازات جو تین سو جہازوں اور بکثرت بار برداری کی کشتیوں پر مشتمل تھا گیلی پولی میں تیار ہوا اور اس بیڑے کا افسر سلیمان بک تھا جو اس زمانہ کا نہایت نامور امیر البحر اور سلطانی بیڑہ جہازات کا کپتان اول تھا سلیمان بک بکثرت آلات حرب وضرب اور سامان محاصرہ کے ساتھ جانب قسطنطنیہ روانہ ہوئے الغرض پورے انتظام و اہتمام کیساتھ خشکی و تری دونوں سمتوں سے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع ہوا۔

حملہ قسطنطنیہ

رومیوں نے بڑے بڑے چودہ جہازوں کو دہانہ **خلیج گولڈن ہارن** کھڑا کردیا تھا جس سے سلطانی فوج پر حملہ اس طرح سے نہیں ہوسکتا تھا سلطان نے

گولڈن ہارن کے معنے سنہری سینگ یا شاخ زرین کے ہوتے ہیں لیکن اس مقام پر اس خلیج کا نام ہے جو آبنائے باسفورس سے بطور ایک شاخ کے قسطنطنیہ کے اندر چلی گئی ہے گولڈن ہارن کے دونوں جانب آبادی ہے ایک کو غلطہ اور دوسری کو استنبول کہتے ہیں۔ گولڈن ہارن اپنی قدرتی دلفریبی کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔

خشکی کی جانب سے حملہ کا انتظام کیا۔ مشرق سے مغرب تک شہر کے کنارے کنارے فوج کو پھیلا دیا اور اپنا خاص جھنڈا اسینٹ روماس پر گے بالمقابل نصب کر کے افواج قاہرہ کو حملے کا حکم دیدیا۔ ترکوں کا حملہ کرنا تھا۔ کہ فوج مخالف بھی حرکت میں آئی اور طرفین میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی دونوں طرف جوش و خروش کا ایک سمندر منڈا ہوا تھا اور بہادران جنگ آزما بڑھ بڑھکر داد شجاعت دے رہے تھے ترکوں کیطرف سے توپوں بندوقوں کیساتھ تیر اور منجنیق بھی سرگرمی سے حملہ کر رہے تھے۔ رومی بھی پوری گرمجوشی دکھا رہے تھے لیکن یہ سر دیانہ حالت عرصہ تک قائم نہ رہی اور رومی اپنی کمزوری کا احساس کرکے قلعبند ہوگئے اور فصیل شہر سے جواب دینے لگے۔

ترکوں کے حملہ میں وقتاً فوقتاً زیادہ سختی ہوتی جاتی تھی اور وہ آگے بڑھنے کی کوشش میں برابر ترقی کرتے جاتے تھے رومیوں نے اس زبردست سیلاب کو روکنے کیلئے بھاری توپوں سے کام لینا چاہا اور فصیل شہر پر توپوں کے نصب کرنے کا انتظام کیا لیکن پھر اپنے ارادہ کو ملتوی کردیا۔ سلطان محمد خان جو ایک بلندی پر کھڑے ہوئے تھے نہایت عمیق نگاہوں سے حالات جنگ کا معائنہ کر رہے تھے اپنی عقل خداداد سے سمجھ گئے کہ اس میں کچھ راز ہے حقیقت بھی یہی تھی۔ بعینہ اس جگہ توپوں کے نصب کرنے سے احتراز کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اس جگہ فصیل کمزور تھی۔

سلطان نے حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں پر چبوترہ وہاں طیار کئے جائیں اس ارشاد سلطانی کی فوراً تعمیل کی گئی اور جلد سے جلد چبوترہ دمدمے طیار کر دئے گئے اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ ان پر بڑی بڑی توپیں چڑھا کر ایک ساتھ فصیل پر گولہ باری کی جائے۔

سلطان نے محاصرہ قسطنطنیہ کے لئے ایک بہت بڑی توپ اڈریانوپل میں تیار کرائی تھی جو ۱۲ من وزنی پتھر کا گولہ ایک میل کے فاصلہ تک پھینک سکتی تھی۔ اڈریانوپل سے اس مقام تک لانے میں پانچ سو جوڑیاں مضبوط

اور توانا سپاہیوں کی لگی ہوئی تھی اور تین ہزار سپاہی اسکی حفاظت پر مامور تھے
سات سو آدمی بروقت استعمال اس میں تھکتے ہیں جو پھیرا اور دیکھ بھال کا کام کرتے
تھے۔

الغرض فصیل شہر پر گولہ باری شروع کی گئی۔ ابھی گولہ باری کو زیادہ عرصہ
نہیں ہؤا تھا کہ دیوار جابجا شق ہو گئی اور اس میں روزن بن گئے۔ ترکوں نے
یہہ حالت دیکھی تو انکے حوصلے بڑھ گئے اور فصیل شہر تک پہنچکر امداد و دخل
ہونے کے لئے بیتابانہ حملہ آوری کا بندوبست کرنے لگے شہر پناہ کے
گرد سو فیٹ کا گہرا خندق کھدا ہؤا تھا جسے پاٹ کر ترکوں نے اچھا خاصہ
راستہ بنا لیا اور شام ہوجانے کے باعث اس توقع پر کہ صبح شہر میں داخل
ہوجائینگے۔ رات بہر کے لئے سکوت اختیار کر لیا۔

مدافعین شہر کے لئے یہ مہلت نہایت کارآمد ثابت ہوئی اور انہوں نے
اس قیمتی موقع سے کافی فائدہ اٹھایا۔ ترکی توپوں نے فصیل میں جس قدر رخنے
اور روزن ڈال دئے تھے رات بہر میں یونانیوں کی کوششوں سے درست
ہوگئے۔ چنانچہ دوسرے روز جب سلطانی لشکر کا حملہ شہر کے لئے
تیار ہؤا تو معاملہ دگرگوں نظر آیا۔ دیکھا کہ شکستہ دیواریں درست ہوگئی ہیں
اور ٹوٹے پھوٹے برج تیار ہو گئے ہیں خندق کی حالت بدستور ہوگئی ہے
الغرض پھر معرکہ کارزار گرم ہؤا اور دونوں فوجیں کشت و خون میں مصروف
ہوگئیں۔ قیصر گذشتہ لڑائیوں کا رنگ دیکھکر بہت کچھ نئی تدبیریں سوچ
چکا تھا۔ اور ضروری سامان کے فراہم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا

لہ فی زمانہ آلات حرب کی ایجاد نے ایسی حیرتناک ترقی کر لی ہے۔ کہ اس
توپ کی اہمیت چنداں محسوس نہ ہوگی مگر اب سے چھ سات سو برس قبل کے
حالات کو دیکھو تو اوسکی واقعی اہمیت معلوم ہو۔

اس لئے ترکوں کے حریفوں کی طرف سے ایسی دھواں دھار گولہ باری کی گئی کہ ترکوں کے سارے منصوبے درہم برہم ہو گئے آج کا دن ہر طرح ترکوں کے خلاف ثابت ہوا اور کامیابی کی صورت نظر نہ آئی ایک طرف شہر کی گولہ باری ترکی کامیابی میں مزاحم ہوئی دوسری طرف یہ ناکامیابی ہوئی کہ جنیوا کے پانچ بڑے بڑے جہاز سامان رسد بھرے ہوئے مع سپاہ رومیاں کی مدد کو آئے جن کا دلیر کماندار جوستنانی ترکوں کی مزاحمت کے باوجود رومیوں سے جا ملا البتہ اس کا ایک جہاز ضائع ہوا جوستنانی نے چاہا کہ ترکی بیڑے میں آگ لگا دے۔ مگر ترکوں کی مستعدی کے باعث اس کا منصوبہ بے کار ثابت ہوا اس کے برخلاف ترکوں نے اس کے جہاز پر آتش باری کر کے اسے غرق کر دیا جوستنانی کی حیات ہنوز باقی تھی کہ وہ بہ ہزار دقت زندہ نکل گیا۔ مگر اس کے دو سو آدمی دریا برد ہو گئے۔

سلطان محمد خان ثانی کا بےنظیر کارنامہ

قدرتی استحکامات کے علاوہ قسطنطنیہ کے ہر چہار طرف مضبوط و مستحکم فصیل بھی تھی جو حملہ کرنے والوں کی راہ میں سد سکندری کا حکم رکھتی تھی۔ صرف گولڈن ہارن کا جو حصہ فصیل تھا اسی کی نسبت خیال کیا جا سکتا تھا۔ کہ وہ کمزور ہے اس لئے ترکوں نے اپنی کامیابی کے لئے اسی کو منتخب کیا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ یونانی اور رکنی جہازوں نے خلیج گولڈن ہارن کا دہانہ اس طرح سے روک رکھا تھا کہ سلطانی بیڑے کا اس کے اندر داخل ہونا ناممکن تھا۔ ل اس حالت میں سلطان محمد خان نے جو تدابیر اختیار کی اور جس عزم و استقلال و فہم و فراست سے کام لیا وہ ان کا حصہ تسلیم کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے

کو سلطان نے اپنا نے باسفورس اور خلیج گولڈن ہارن کے دوسرے سرے تک کی درمیانی سنگلاخ زمین پر جس کا طول ایک فرسخ (۳ میل) تھا۔ لہ سفوبہ کے موٹے موٹے چوبی تختے بچھوا دیئے اور ان پر تیل و چربی ملوادی۔ اور ستر جنگی جہازوں پر اور اسی سریع الحرکات کشتیوں میں پھٹنے لگا کر اسی چوبی راستہ پر ٹھیلتے ہوئے گولڈن ہارن میں اتار دیئے۔

یہ تمام کارروائیاں صرف ایک شب میں انجام پاگئیں صبح ہوتے ہوتے جب ترکوں نے خشکی پر جہاز چلا کر ان کو پانی میں ڈال دیا تو انہوں نے جوش مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ یونانی اس صدا کے پر جلال کو سنکر چونکے تو دیکھتے ہیں کہ سلطانی بیڑہ شہر پناہ کے نیچے کھڑا ہے اس وقت اُن کے خوف و تعجب کی کوئی حد نہ رہی نتیجہ کی خوفناک صورت دکھا نے لگی۔

فتح قسطنطنیہ

گولڈن ہارن میں جہاں سلطانی جہاز اتارے گئے تھے ایسا تنگ مقام تھا کہ یونانیوں کے عظیم الضخامت جہاز وہاں تک پہنچ نہیں سکتے تھے جہاز ترکوں نے جب گولڈن ہارن پر پل تیار کرنا چاہا۔

تو بلا مزاحمت تیار کرلیا اور رومی منہہ دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس مقام پر پل تعمیر کرنے کی غرض یہ تھی۔ کہ یہاں سے کمزور حصہ فصیل شہر پر پوری گولہ باری ہوسکتی تھی جس کو ترکوں نے باب کامیابی سمجھا تھا۔

لہ چار میل اور اس سے بھی زیادہ بتایا جاتا

یونانی بھی ترکوں کے مقصد سے ناواقف نہ تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ ترکوں کے نو تعمیر پل کو تباہ کردیں مگر وہ اپنی سعی لاحاصل کا میاب نہ ہو سکے۔

جس وقت ترکی توپ خانہ کی چودھویں باڑی نے شہر کے شمالی حصہ فصیل پر گولہ باری شروع کی۔ یونانیوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ سارے یونانی سمٹ کر اسی جگہ آ گئے اور اس کمزور حصہ کو خوب مضبوط کر دیا۔ جس کی وجہ سے سات ہفتے کی ترکی گولہ باری بھی شہر پناہ کو کوئی موثر نقصان نہ پہنچا سکی اس پونے دو مہینے کی ناکامیاب جدوجہد کے بعد ترکوں کی مغربی شہر پناہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ترکی توپ خانہ نے وہاں دو بار گولہ باری کر کے چار بڑے بڑے مورچوں اور برجوں کو منہدم کر دیا۔ اسی طرح سینٹ روماس کی طرف بھی بڑے بڑے روزن اور رخنے پڑ گئے ترکی توپخانہ تباہ کن گولہ باری میں مصروف تھا اور دیواریں پاش پاش ہو کر گر رہی تھیں تھوڑے عرصہ میں بہت سا حصہ منہدم ہو گیا عمیق خندق جو ترکوں اور شہر کے مابین حائل تھا انہیں برباد شدہ دیواروں سے پٹ گیا۔

جب ترکوں کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا تو عام حملہ کرنے سے ایک دن قبل سلطان محمد خان نے قیصر کو یہ پیغام روانہ کیا۔ "اگر تم شہر کو صلح کے ساتھ سپرد کر دو تو سلطان تمام رعایا کو مطلق آزاد کر دیگا اور انکے معاملہ میں دخل نہ دیگا اور تم کو اس شہر کے بدلے میں بلا دمورہ کی حکومت مرحمت ہوگی مگر قیصر نے قاصد کو برا بھلا کہا اور پیغام سلطانی کو رد کر دیا بعض مورخین کا قول ہے کہ قیصر نے جواب دیا کہ تم سے پہلے بہت سے عثمانی سلاطین فتح قسطنطنیہ کی ہوس دل میں لے گئے اور تم بھی یونہی ناکام واپس چلے جاؤ گے اس سے بہتر یہ ہے کہ یہاں سے خراج لینا منظور کر کے نمر خرد واپس چلے جاؤ"۔ اس کے بعد ایک دفعہ پھر سلطان نے مصالحت سے کام نکالنے کی کوشش کی اور حوالگی شہر کیلئے

قیصر کو پیغام ارسال کیا۔ لیکن اسد فعہ پھر نفی میں جواب ملا تو سلطان نے چارہ ناچار عام حملے کا حکم دیدیا اور اپنی فوج میں منادی کرادی کہ عمارات شاہی کے علاوہ تمام مال غنیمت فوج کا حصہ ہے" فوج کو مختلف و متعدد حصص پر تقسیم کرکے ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کیا اور اعلان کردیا کہ جو افسر سب سے پہلے فصیل پر چڑھ جائیگا مملکت عثمانیہ کے سب سے زرخیز صوبہ کا حاکم بنادیا جائیگا۔ سلطان خود نفس نفیس گھوڑے پر سوار ہوکر صفوں میں گشت لگاتے پھرتے تھے اور بہادر ترکوں کی ہمت بڑھاتے پھر رہے تھے۔

قسطنطین یازدہم نے اعلان سلطانی کی طرف توجہ دلانے کی طرف اراکین سلطنت داعیان شہر کو جمع کیا اور حفاظت شہر اور اپنی امداد کی اپیل کی لیکن امداد کی بجائے قیصر کو یہ حوصلہ شکن جواب ملا کہ ہم کو تجھ ایسے بے ایمان کی حکومت سے ترکوں کی حکومت میں رہنا پسند ہے۔ اب قیصر کو بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ اپنی مخصوص فوج سے ترکی حملہ کی مدافعت اور شہر کی حفاظت کرے۔ الغرض وہ ہر امکانی کوشش سے ترکوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا اس کے ساتھ ہی اس کا پرجوش معاون جوستینانی، جو جنیوا سے جہازوں کو لیکر آیا تھا۔ پوری جدوجہد سے کام کرنے کا تہیہ کرلیا سینٹ رومانس کے برج اور پھاٹک کو جسے ترکی توپ خانہ نے تباہ کردیا تھا۔ جوستینانی کی سرگرم کوشش سے از سر نو درست ہوگیا۔ پھاٹک کے اندر نیچے جدید دمدمے طیار ہوگئے۔

جب منہدمہ مقامات درست ہوگئے تو قیصر نے قلعہ اور شہر اور جوستیانی نے سینٹ رومانس کے پھاٹک کی حفاظت کا ذمہ لیا اور دونوں اپنی جگہ ترکی حملے کے منتظر ہوئے۔

۸ رجمادی الآخر یا ۲ جمادی الاول ۸۵۷ھ ۲۹ رمئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد خان کی فوج ظفر موج حرکت میں آئی۔ بحری اور بری دونوں فوجیں اپنے

اپنے راستہ سے آگے بڑھنا شروع ہوئیں۔ بڑی فوج جو سنٹ رومانس کی جانب پیشقدمی کر رہی تھی اس ترتیب سے تھی کہ سب سے آگے غیر قواعد داں سپاہی تھے ان کے پیچھے تجربہ کار سپاہ تھی۔ اس کے پیچھے "ینی چری" سپاہ کا دستہ تھا جس کی کمان خود جلالت مآب سلطان محمد خان ثانی کے ہاتھ میں تھی۔ دو گھنٹہ تک معرکہ آرائی ہونے کے بعد سلطانی فوج نے دروازہ سینٹ رومانس میں گھسنا شروع ہوئی آگے آگے غیر قواعد داں سپاہی تھے۔ یہ اندر داخل ہوتے جاتے تھے اور یونانی ان کو قتل کرتے اور اپنی شدید توپ آتشباری سے خاک کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پوری فوج بے قاعدہ اندر داخل ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد قواعد داں اور پختہ کار فوج کا نمبر آیا۔ حسن اتفاق سے پہلی ہی ضرب جو سٹیانی مارا گیا اور سلطانی فوج قلعہ میں داخل ہونا شروع ہو گئی ایک بہادر دل ترکی جس کا نام حسن تھا اٹھارہ آدمیوں کو لیکر برج پر چڑھنے لگا۔ یونانیوں نے حسن کو اور مع اسکے ساتھیوں کے قتل کر ڈالا حسن کی یہ قربانی بڑی مفید ثابت ہوئی کہ بقیہ صفوف کو موقع مل گیا اور وہ بعجلت سارے دمدموں پر قابض ہو گئی۔

عین اسوقت جب کہ بری فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی بحری سپاہ نے خاص قلعہ کا محاصرہ کر لیا یونانیوں نے سمجھا کہ اب ترکوں کی گرفت سے رہائی ناممکن ہے تو جان پر کھیل کر مقابلہ کے لئے آموجود اور ایک آخری خونریز معرکہ ہوا جس میں قیصر یازدہم آخری فرمانروائے روم مارا گیا۔ اور قسطنطنیہ پر جو دنیا کا نہایت شاندار قدیمی اور تاریخی شہر تھا۔

اسلامی علم لہرانے لگا

اس نامور شہر کا پورے ۲۹ مرتبہ محاصرہ کیا گیا۔ مگر یہ اپنی قدرتی جائے وقوع اور اپنے فرمانرواؤں کی قوت کی بدولت ہمیشہ اپنے محاصرین کو

[illegible] سلطان محمد خان ثانی کے ہاتھ سے مفتوح ہو گیا۔ کسی فاضل نے فتح قسطنطنیہ کی تاریخ لکھتے ہوئے اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

مارام الفتح قوم اولون　　　　جازه بالنصر قوم آخرون

یعنی امر فتح کی آرزو اگلی قوموں نے کی　　　　اور فتح کی مراد کو پچھلے پہنچے

کسی نے فتح قسطنطنیہ کا مادہ تاریخ بلدہ طیبہ بھی لکھا ہے۔

اس فتح میں بیشمار دولت ترکوں کے ہاتھ لگی اور قصر قیصری جو یورپ و ایشیا کی نفیس مصنوعات اور آثار قدیمہ سے بھرا پڑا تھا آل عثمان کے قبضہ میں آیا اور عظیم الشان کامیابی پر سلطان سجدے میں گر پڑے اور خداوند عالم کا شکر ادا کیا۔

قیصر کی تدفین

شہر کے مفتوح ہو جانے کے بعد جب لڑائی ختم ہوئی تو سلطان محمد خان نے قیصر کی لاش ڈھونڈنے کا حکم دیا چنانچہ نہایت تلاش و جستجو کے بعد لاشوں کے پشتے میں قیصر کی لاش ملی جسے سلطان نے شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کے اجداد کے مقبرہ میں دفن کرا دیا

مفتوحین کیساتھ سلطان کا برتاؤ

یورپ کے اکثر مورخ اس وہم میں مبتلا ہیں یا دیدہ و دانستہ سلطان محمد خان پر بے جا الزام لگاتے ہیں کہ وہ تند مزاج اور وحشی خصال فرمانروا تھے جیسا کہ عموماً فرمانروایان اسلام کے متعلق وہ خیال کرتے ہیں۔ یونانی مورخ

لفظ آخرون سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے ۱۲۔ سے (از حالات بنی عثمان)

جن کی حکومت سلطان نے چھین لی۔ ایسی باتیں بالکل نہیں لکھتے۔ جس سے متعصب مورخین کی تحریروں کا غلط ہونا صاف طور پر ظاہر ہے۔ البتہ قسطنطنیہ کی مسیحی حکومت کو لکھا ہے۔ کہ وہ نہایت ظالم اور جبر پسند ہیں اور اس بارہ میں تقریباً تمام مورخین کا اتفاق ہے۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ صاحب سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ قسطنطنوی حکومت کی دنیوی اور دینی سختیوں کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ تمام شاہدان حالات کو پڑھکر کوئی یہ خیال کرے کہ تعصب کی وجہ سے ایسا لکھا ہے اس لئے اونکی تصدیق کے واسطے ایک معصر مورخ جس نے قسطنطنیہ کی تباہی کا حال لکھا ہے وہ بھی گورنمنٹ وقت پر ایسے ہی الزام لگاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بغیر قانون کے خوف کے سلطنت کا حال ایسا ہی ہے جیسے کہ بے لگام گھوڑے کا

شاہ قسطنطین اور اس کے بزرگوں نے اپنے ایما سے اہلکاران سلطنت کو رعایا پر ظلم کرنے کی اجازت دی عدالت کے حاکموں نے مظلوموں کے آنسو اور بیگناہوں کے خون سے خزانے جمع کر لئے۔ فوج کے یونانی اپنی زرق برق پوشاک پر نازاں تھے ملک کے معزز لوگ گورنمنٹ کے خلاف سنگین جرائم میں گرفتار ہوکر نادم نہ ہوتے تھے سپاہیوں کے لڑائی سے بھاگنے میں شرم نہ آتی تھی۔ غرض جب خدا نے یہ حالت دیکھی تو محمد خان ثانی کو پیدا کیا اور اس کی مدد کی سلطان محمد کی سپاہ کو لڑائی کو عین مسرت سمجھتی تھی اور اس کے قاضی دیانت میں خیانت نہ کرتے تھے[1]۔ مفتوحین کے ساتھ سلطان کے فیاضانہ سلوک اور عمدہ برتاؤ کا ثبوت

---

[1] یہ ایک مضمون کا اقتباس ہے جو مسٹر آرنلڈ کی غیر مکمل تالیف سے ترجمہ ہوکر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ماہ دسمبر ۱۸۹۲ء مقام دہلی میں پڑھا گیا تھا۔

واقعات سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ سلطان نے ان امرا اور دوسرے آدمیوں کو جو فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے سپاہیوں کو معاوضہ دے کر آزاد کرا یا اور شہر میں جلد امن و امان قائم کرنے کی طرف پوری توجہ کی۔ مسٹر آرنلڈ صاحب لکھتے ہیں کہ۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد ثانی کا پہلا کام یہ تھا کہ شہر میں امن کیا جائے اور سلطان خود گریک چرچ کا سرپرست اور حامی بنکر عیسائیوں سے اطاعت قبول کرائی۔ ملک میں ممانعت کردی کہ عیسائیوں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے اور ایک فرمان چرچ کے پیٹری آرک (افسر اعلیٰ) کے نام جاری کیا جس سے تمام اختیارات جو اُسکو یا اُسکے جانشینوں کو یا ماتحت عیسائیوں پادریوں کے عہد حکومت میں حاصل تھے عطا کئے۔ گناڈوس جو پہلا پیٹری آرک ترکوں کے زمانہ میں منتخب ہوا تھا اسکو سلطان نے خود اپنے ہاتھ سے وہ عصا جو اُسکے منصب کا نشان تھا دیا۔ اور ایک تھیلی جسمیں ایک ہزار طلائی ڈکٹ تھے اور ایک گھوڑا مع قیمتی سامان کے مرحمت فرمایا اور اجازت دی کہ وہ اپنے مقررہ سامان جلوس کیساتھ شہر میں دورہ کیا کرے علاوہ لیے اعزاز کے جو پیٹری آرک کو عیسائیوں کی بادشاہت میں حاصل تھا۔ دولت عثمانیہ نے ملکی اختیارات بھی اُسکو دیئے[1]

پیٹری آرک گناڈوس نے اس طرح عنایات خسروانہ کا شکریہ ادا کیا "میں حضور کی اس عزت افزائی کا نہایت ممنون ہوں اور شرمندگی کیساتھ اس کے شکریہ ادا کرنے میں قاصر رہنے کی معافی چاہتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ میرے پیش رو بزرگوں نے خود عیسائی حکمرانوں کے

---

[1] یہ بھی مسٹر آرنلڈ کے اُسی مضمون سے ماخوذ ہے جس کا اقتباس پہلے درج کیا جا چکا ہے ۱۲۔

وقت میں ایسے اعزاز و اکرام کا نمونہ نہیں دیکھا۔ الغرض سلطان محمدؒ خاں نے رعایا کیساتھ ہر طرح کی عنایات و فیاضی کا سلوک کیا اور اُن لوگوں کو جو انقلاب ملکی کے سبب قسطنطنیہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دی۔

مسٹر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ:- محمدؒ ثانی نے ایک بڑا "سانی نود" یعنے مذہبی مجلس قائم کی۔ جس میں گریک چرچ کے معزز عہدہ دار جمع ہوتے تھے۔ اور عیسائیوں کے دینی اور دنیوی معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔ دولت عثمانیہ کی طرف سے جس قدر احکام عیسائیوں کے بارے میں جاری ہوئے تھے۔ وہ اسی مجلس کے ذریعہ سے ان تک پہنچتے تھے۔ اس مذہبی مجلس کو کل ایسے فیصلوں پر جو ماتحت پادری جو اپنی مذہبی عدالتوں میں لکھتے تھے منسوخی یا بحالی کا اختیار حاصل تہا اور عیسائی مجرموں پر جرمانہ یا قید کی سزا دینے کا جسکے واسطے علیحدہ قید خانے بنے ہوئے تھے اختیار دیا گیا تہا۔ خاص حالتوں میں پیٹری آرک کی عدالت سنگین جرائم میں سخت سزائیں تجویز کرنے کی بھی مجاز تھی۔ ان تجویزوں کی تعمیل حکام سلطنت کے ذمے تھی۔ ترکوں نے بازنیٹن گورنمنٹ کیطرح عیسائیوں کی مذہبی باتوں میں دخل نہیں دیا تہا بلکہ اُن کے فیصلہ پر پیٹری آرک کو کامل اختیارات دیئے تھے۔ اس بڑے افسر کو یہ اختیار بھی حاصل تہا کہ جب چاہے پادریوں کی مجلس منعقد کرے اور جب چاہے اسے برخاست کردے اور عیسائیوں میں جو دینی اختلافات پیش آئیں اُن پر بلا گورنمنٹ کی شرکت کے خود فتویٰ لکھے۔ اگر گورنروں کی زیادتی سے عیسائیوں پر کسی قسم کا ظلم ہوتا تہا تو بحیثیت سلطانی اہلکار ہونے کے سلطان وقت سے دادخواہی کا مجاز تہا۔ ہر ایک صوبہ کے لاٹ پادریوں کیساتھ دولت عثمانیہ کا بہت اچھا برتاؤ تہا۔ اور آگے چلکر مسٹر موصوف لکھتے ہیں

معزز پادری ملکی انتظامات میں بہ نسبت اپنے منصبی کام کے زیادہ مستعد تھے اور عیسائیوں کو ہمیشہ اسکی ہدایت کرتے رہتے تھے کہ ہمارے چرچ کی حفاظت اور سرپرستی کیلئے سلطان خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہے دولت عثمانیہ نے ایک فرمان جاری کیا جس سے تمام ایسے گرجا جو مسجدوں کیواسطے ضبط نہیں ہوئے تھے عیسائیوں کو واپس مل گئے۔ اور انہیں اپنے طریقہ پر مذہبی رسوم کو علانیہ ادا کرنے کی اجازت مل گئی"

مسٹر آرنلڈ کی آخری سطور سے خیال ہوتا ہے کہ بہت سے گرجاؤں کو مسجد بنانے کیلئے ضبط کر لیا گیا تہا اور جو باقی بچ گئے تھے وہ عیسائیوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سینٹ صوفیہ کے سوا کوئی مسیحی معبد مسجد نہیں بنایا گیا۔ نہ کسی مسیحی مقدس مقام سے تعرض کیا گیا۔ اس جگہ یہ بتانا بے موقع نہ ہوگا کہ سینٹ صوفیہ کی عمارت کو جو اب جامع ایا صوفیہ اور معبود برحق کی مقدس عبادت گاہ ہے۔ انقلاب دیکھنے کا یہ پہلا موقع نہ تہا۔ اس سے پہلے قسطنطنین اعظم کے عہد میں بھی ایسے ایسے انقلاب سے دوچار ہونا پڑا تہا۔ چنانچہ قسطنطنین اعظم سے پہلے یہ یونانیوں کا مندر تہا اور اس میں عقل کے دیوتا کی پوجا کی جاتی تھی۔ جب قسطنطنین اول اس پر متصرف ہوا تو عقل کے دیوتا کی پوجا بند کر کے تثلیث کی عبادت جاری کی گئی۔

تقریب فتح قسطنطنیہ

فتح قسطنطنیہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ چار دانگ عالم میں اسکی خبر مشہور ہو گئی۔ یورپ و ایشیا کے جلیل القدر حکمرانوں اور عظیم الشان فرمانرواؤں نے سلطان محمد خاں کی خدمت میں تہنیت و مبارکباد کے پیغام بخطوط و رسائل

گئے۔ تمام فرماں روایان عالم میں سلطان محمدؐ خاں کی شاہنشاہی تسلیم کرلی
گئی اور سلطان کے رعب و دبدبہ کا سکہ بڑے بڑے پرہیبت و باجرأت
بادشاہوں کے دل پر بیٹھ گیا۔ اسی فتح سے مورخین سلطان محمدؐ خاں ثانی کو
"فاتح" کے جلیل القدر اور ممتاز لقب سے ملقب کرنے لگے۔ اور اس
فتح کو وسطی صدیوں کی تاریخ اور زمانہ موجودہ کی تاریخ کے درمیان حد
فاصل قرار دیا۔

زیارت مزار مبارک

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

دوسرے امور کی طرف سے سلطان کو اطمینان حاصل ہوا تو اُنھوں نے
شیخ الوقت حضرت محمدؐ شمس الدین صاحب سے کہا کہ مجھے حضرت ایوب[1]
انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کرا دیجئے۔ سلطان کی عقیدتمندانہ

---

[1] حضرت ایوب انصاری رضؓ بڑے پایہ کے صحابی تھے۔ ہجرت کے موقع پر جب
حضور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا
تو حضورؐ کی ناقہ مبارک آپ رضؓ کے دروازہ پر پہنچ کر چلنے سے رک گئی اور کسی
طرح آگے نہ بڑھی۔ اسوقت اہل مدینہ طیبہ میں ہر شخص جو حضورؐ کی محبت سے سرشار تھا یہی کہتا
تھا کہ حضورؐ ہمارے ہاں قیام فرما ہوں مگر یہ ایوب انصاری رضؓ کے
حق میں خدائی فیصلہ سمجھا گیا اور حضورؐ نے آپ رضؓ کے ہاں قیام فرمایا آپ رضؓ
اسلام کے سچے جاں نثاروں میں تھے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضؓ کے عہد میں جب
مجاہدین اسلام نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو آپ بھی شریک جہاد تھے۔ یہاں داخلہ قسطنطنیہ
بعد بصورت مسافت یا کسی اور وجہ سے واپس چلے آتے رہے۔ اسی زمانہ میں آپ بیمار ہو کر رحلت فرمائی اور قسطنطنیہ

درخواست پر شیخ موصوف نے مراقبہ کیا۔ بعدازاں سلطان کو میدان میں لیجا کر چند علامتیں اور نشانیاں دکھائیں جس سے سلطان کو یقین ہو گیا کہ حضرت ایوب رضؓ کا مزار مبارک یہیں ہے۔ چنانچہ سلطان نے اس مقام پر ایک گنبد تعمیر کرا دیا اور اسی سے متعلق ایک نہایت عالیشان مسجد تعمیر کرائی جس کا نام "جامع ایوب" رکھا۔ تعمیر مسجد کے بعد سلطان محمد خاں نے پہلا جمعہ اسی جامع مسجد میں ادا کیا۔ نماز کے بعد شیخ الاسلام نے تیغ عثمانی جو آل عثمان میں وراثۃً چلی آتی تھی جلالتمآب سلطان محمد خاں فاتح کی کمر میں حایل کی۔ اسکے بعد یہ رسم قائم ہو گئی کہ ہر جدید سلطان تخت نشینی کے موقع پر اسی جامع مسجد میں شیخ العصر کے ہاتھ سے تیغ عثمانی زیب کمر کرتا ہے۔ اہل ملک بھی اس مسجد کی نہایت قدر و منزلت کرتے ہیں۔

قسطنطنیہ چونکہ تمام بلاد عثمانیہ میں دار السلطنت کیلئے سب سے زیادہ موزوں و مناسب تہا اس لئے بجائے ایڈریا نوپل کے وہی دار السلطنت قرار دیا گیا۔

تسخیر بوسینیا

فتح قسطنطنیہ اور دوسرے ضروری امور کی انجام دہی سے فراغت حاصل کرکے ۸۶۵ھ میں سلطان فاتح نے پھر فتوحات کی طرف توجہ کی اور ایک جرار لشکر کیساتھ ملک بوسینیا پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بوسینیا کے بہت سے شہر و بلاد فتح ہوئے اور شاہ بوسینیا "دمیتریوس" نے بارہ ہزار درم (اشرفی) کا سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدہ پر سلطان سے صلح کر لی۔ لیکن جب موقع ملتا شاہ بوسینیا اظہار بیوفائی اور کجروی سے باز نہ آتا۔ چنانچہ یورپ کی افواج متحدہ اور محمد فاتح سے جو معرکہ ہوا اس میں والی

بوسینیا سلطان فاتح کے دشمنوں کیا کفتہ تھا (اس معرکہ کی کیفیت اپنے موقع پر بیان ہوگی) سلطان نے معرکۂ مذکور سے فراغت حاصل کرکے والئ بوسینیا پر حملہ کر دیا جسکے خوف سے وہ یونانی مجمع الجزائر میں بھاگ کر پناہ گزین ہوا اور دست اجل کے ہاتھوں ملک عدم کو پہنچ گیا۔ جدید حکمران بوسینیا نے بھی اپنا وہی طرزِ عمل رکھا جو اس کے پیش رو کا تھا بلکہ اس سے بڑھکر کہ خراج سلطانی بند کر دیا۔ سلطان فاتح نے اسکی سرکشانہ روش دیکھکر ۸۶۷ھ میں اپنے وزیر اعظم محمود پاشا کی ماتحتی میں بوسینیا پر فوج کشی کی۔ شاہ بوسینیا ترکی سپاہ کے ہاتھوں مارا مارا پھرتا ہوا شہر کلوچی میں قلعہ بند ہوگیا اور بالآخر اپنے آپ میں تاب مقاومت نہ پاکر عاجزی سے معافی کا خواستگار ہوا۔ ترکوں نے اسے گرفتار کرلیا اور اُسکے باقیماندہ شہروں کو مسخر کرکے پورے ملک پر کامل قبضہ کرلیا۔

بوسینیا سے ترکوں کی واپسی کے بعد ہنگری کے نامور جنرل ہونیاد (اسکے حالات بھی اپنے وقت پر بیان ہونگے) کے بیٹے متیاس نے بوسینیا پر حملہ کر دیا جسکی وجہ سے ترکوں نے دوبارہ بوسینیا پر فوجکشی کی اور شیمال ہنگریوں کو قتل کرکے ملک کے باہر نکال دیا گیا اور ملک بوسینیا کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا گیا۔ بقدر ضرورت محافظت کیلئے اس وقت سے ترکی سپاہ رکھی جانے لگی۔

مسلمانوں کے تسلط ہونے کے بعد بہت سے خوش قسمت امرا و شرفا نے برضا و رغبت اسلام قبول کرلیا۔

قبضۂ مورہ

۸۵۸ھ میں جب سلطان فاتح نے بوسینیا پر پہلا حملہ کیا اور اُسکے حکمرانوں نے بارہ ہزار اشرفی سالانہ خراج دینے کے وعدہ پر صلح کرلی۔

اسی زمانہ میں سلطان نے بلاد مورہ پر بھی حملہ کیا تھا اور اُسکے فرمانروا نے بھی بارہ ہزار اشرفی سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدہ پر جان بچالی۔ والی مورہ کا نام توماس تھا۔ والی بوسنیا کی طرح توماس نے بھی یورپ کی متحدہ افواج اور عساکر عثمانیہ کی باہمی معرکہ آرائی میں سلطان فاتح کے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اس لئے سلطان نے اُدہر سے فراغت حاصل کرکے مورہ کا رخ کیا اور حملہ کرکے شہر کورنتھ اور اُسکے متعلقہ شہروں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کا تو ارادہ تہا کہ اس دفعہ مملکت مورہ کا کامل فیصلہ کر دے مگر اس وقت اس کا دوست دیمتریوس والی بوسنیا زندہ تہا۔ اسی کی سفارش اور عاجزی پر سلطان نے چھوڑ دیا۔ لیکن عید [illegible] توماس اپنی جبلی عادت کی بدولت پھر سرکش ہو گیا اور سلطان نے اس کے ملک پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کر لیا۔ بدنصیب توماس محروم الحکومت ہو کر اطالیہ (اٹلی) بھاگ گیا۔

یورپ کی افواج متحدہ اور سلطان کی جنگ

سرویہ کی آزادی کا خاتمہ

اس جنگ کے ضمنی تذکرہ کے موقع پر ہم نے وعدہ کیا تہا کہ اُسکے واقعات اپنی جگہ پر بیان ہونگے۔ چنانچہ اب ہم اس جنگ کے واقعات لکھتے ہیں۔ یوں تو یورپی حکومتیں ابتدا ہی سے ترکوں کی روزافزوں ترقی کو رشک وحسد کی نگاہوں سے دیکھتی تہیں اور آئے دن میدان جنگ وجدل گرم کرکے انکی قوت کے توڑنے کی کوشش کرتی رہتی تہیں لیکن فتح قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی حکومتیں بالخصوص

ترکوں کی نقصان رسانی کے درپے ہوگئیں۔ ترکوں کے مخالفین میں
کالکتوس سوئیم پوپ آف روما کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔
وہ بھی اس صلیبی جنگ کا علم بردار تھا۔ اسکی متواتر اور لگاتار کوشش
کا یہ نتیجہ ہوا کہ سنہ ۸۶۱ھ مطابق ۱۴۵۶ء میں مسیحی فوجیں خم ٹھونک کر
ترکوں سے مقابلہ کرنے کیلئے برسر میدان آگئیں نہ صرف میدان میں
آگئیں بلکہ ممالک عثمانیہ پر حملہ آور بھی ہوگئیں۔

سلطان فاتح بھی مردانہ وار مقابلہ کو نکلے اور ڈیڑھ لاکھ سپاہ
اور دو سو جنگی جہاز کیساتھ سرویا کے دارالسلطنت شہر بلگریڈ کا محاصرہ
کرلیا۔ محاصرہ بحری اور بری دونوں سمتوں سے کیا گیا تھا۔ قریب تھا کہ سلطانی
فوج کے ہاتھوں دارالسلطنت فتح ہوجائے کہ ہونیاڈ ہنگری کا مشہور سپہ
سالار جس کا تذکرہ ضمناً اوپر آچکا ہے سرویہ کی مدد کو آپہنچا۔

"ہونیاڈ" شاہ ہنگری کا ولد الحرام فرزند تھا اور کئی مرتبہ ترکوں کے
مقابلہ میں آچکا تھا جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے۔ تمام مسیحی سلطنتوں کی فوجیں
جمع ہوکر ترکوں کی بیخکنی کو آئی تھیں۔ اس لئے اُنکے مقابلہ میں ترکی فوج
بوجہ اپنی قلت تعداد کے کمزور پڑی۔ لیکن سلطان محمد خاں میدان سے
کب پیچھے قدم ہٹانیوالے تھے۔ ؎

آں نہ من باشم کہ وقت جنگ بینی پشت من
ایں منم کاندر میان خاک و خوں بینی سرے

کڑک کر آگے بڑھے اور فوج مخالف پر برق خاطف کی طرح جاگرے
پھر کیا تھا مردہ جسموں میں جان پڑگئی۔ شکستہ دل ترک از سر نو تازہ
ہوگئے اور بڑھ بڑھکر داد شجاعت دینے لگے۔ عیسائی فوجیں پہلے ہی سے
جوش سے لبریز تھیں۔ ہوتے ہوتے دست بدست جنگ کی نوبت پہنچ گئی
اسی حالت میں ایک مسیحی نے سلطان پر اور ایک عثمانی نے ہونیاڈ پر حملہ کیا

حربہ کیا اور دونوں زخمی ہو کر جنگ کے ناقابل ہو گئے۔ دونوں کا زخمی ہو کر میدان خالی کرنا تھا کہ لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان کا زخم تو معمولی تھا چند روز میں اچھا ہو گیا۔ لیکن ہونیاد اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا اور اسی حالت میں لقمۂ اجل ہو گیا۔

اس جنگ کے بعد سلطان نے ۸۶۳ھ میں صدر اعظم محمود پاشا کو پھر تسخیر سردیہ کیلئے روانہ کیا۔ محمود پاشا نے سردیہ کے تمام مقبوضات کو فتح کر کے اسکی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ شہر بلگریڈ عثمانی قبضہ سے بچ گیا کیونکہ وہ اسوقت سلطنت ہنگری کے ہاتھوں میں ہو گیا تھا۔ اب سے پہلے اور معرکۂ کوسوہ کے بعد سے یہ حکومت سلطنت عثمانیہ کی باجگذار تھی۔

طرابزون کی فتح

طرابزون قسطنطنیہ سے نوسو کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایشیائے کوچک میں نہایت مستحکم اور پرانا شہر ہے۔ تعمیر قسطنطنیہ سے قبل کے حکمران کا یہ شہر پایۂ تخت تھا اور اب بہت بڑا تجارتی مقام اور اہم بندرگاہ ہے۔ ۸۶۴ھ میں سلطان فاتح نے اس پر حملہ کیا۔ اس کا فرمانروا قسطنطنیہ کے شاہی خاندان کا ایک شہزادہ تھا۔ ۸۶۵ھ میں ایک ایشیائی امیر نے جس کا نام روزون حسن تھا چاہا کہ عثمانی سلطنت سے طرابزون کو علیحدہ کرے مگر سلطان نے اس پر مستحکم قبضہ کر لیا اور شاہ طرابزون کو مع اسکے خاندان کے قسطنطنیہ میں لاکر نظر بند کر دیا۔

فتح سینوب

سینوب بھی ایشیائے کوچک میں ساحل بحر اسود پر ایک مشہور بندرگاہ تھا۔ دیوجانس کلبی ایک نامور فلسفی تھا۔ اس کا مقام پیدائش یہی شہر تھا۔ سینوب کو سلجوقی ترکوں نے یونانیوں سے چھینا ہوا تھا۔ سلطان فاتح کے عہد میں اس شہر کا حاکم تیمور لنگ کی نسل سے تھا۔ اوزون حسن اگرچہ سلطان کا باجگذار تھا۔ لیکن چونکہ ایک دفعہ تیمور اور عثمانیوں میں جنگ ہو چکی تھی اس لئے فرمانروائے سینوب اکثر مواقع پر عثمانیوں کی مخالفت کرجاتا اور انکے دشمنوں کو بڑھا دیتا۔ اس لئے سلطان نے اس لغلی کھوٹہ سے بچنے کیلئے سینوب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ یہ ۱۴۶۴ء کا واقعہ ہے۔ سینوب پر خشکی و تری دونوں طرف سے حملہ کیا گیا تھا۔ سینوب کیا تھا اُسکے تمام متعلق مقامات پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔

افلاق کی گوشمالی

افلاق مملکت رومانیہ میں بجانب غرب ایک حکومت تھی۔ اس کے فرمانروا نے رعایا پر بیحد ظلم کیا تو اہل افلاق اپنے ظالم حکمران کے مظالم کی فریاد لیکر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان نے حمزہ پاشا والی ویدین کو حکم دیا کہ امیر افلاق کو سمجھا دے کہ وہ رعایا پر ظلم نہ کیا کرے۔ نامعقول شاہ افلاق بجائے اسکے کہ سلطانی ہدایت کی حرمت کرتا سلطانی سفیر حمزہ پاشا اور اُسکے ساتھیوں کو گرفتار کرکے قتل کرا ڈالا۔ سلطان حاکم افلاق کی اس زیادتی کی اطلاع پاتے ہی حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ مگر والی افلاق نے سبقت کرکے مقبوضات سلطانی پر حملہ کر دیا۔

سلطان فاتح نے خشکی کی طرف سے اپنے وزیراعظم محمود پاشا کو روانہ کیا اور تری کی طرف سے خود روانہ ہوئے۔ ترکی لشکر ظفر پیکر نے پہنچتے ہی شاہ افلاق کی فوجوں کو کچل ڈالا۔ شاہ افلاق اپنے کو خطرے میں پاکر ہنگری میں بھاگ گیا۔ اور سلطان مفرور بادشاہ کے بھائی اڈولہ کو تخت افلاق پر بٹھاکر مراجعت فرمائے دارالسلطنت ہوا۔

تسخیر مڈیللی

مڈیللی کا ایک نام مٹلین بھی ہے۔ یہ بحر متوسط کا ایک بندرگاہ ہے اسی کا نام جزیرہ بھی ہے جس کا یہ شہر دارالحکومت تھا۔ عثمانی حملہ کیوقت اس پر اہل بندقیہ کا قبضہ تھا۔ ۸۶۶ھ میں سلطان نے صدراعظم محمود پاشا کو براہ خشکی مڈیللی کی طرف روانہ کیا۔ اور گیلی پولی اور اورنہ کے جہازی بیڑہ کو ہمراہ لیکر خود روانہ ہوئے۔ سلطانی فوج نے ساحل اناطولیہ پر اتر کر شہر کا محاصرہ کرنا شروع کیا۔ لیکن شاہ مڈیللی نے اطاعت قبول کرلی جس سے مزید جنگی کارروائی رُک گئی اور سلطان نے اس پر اپنا تسلط کرکے دارالسلطنت کی طرف مراجعت کی۔

اہل بندقیہ اور ترکوں کی جنگ

بندقیہ یورپ کی سب سے عظیم الشان بحری اور تجارتی سلطنت تھی اس کی ہمسری کا اگر کوئی اور سلطنت دعوے کرسکتی تھی تو وہ صرف جینوا کی سلطنت تھی۔ ترکوں اور بندقیہ والوں کی عداوت قدیمی تھی۔ اہل بندقیہ جب موقع پاتے ترکوں کو نقصان پہنچانے اور انکی مخالفت

کرنے سے باز نہ آتے۔ چنانچہ موریہ کو جس پر سلطان فاتح نے قبضہ کر لیا تھا بندقیہ والے چاہتے تھے کہ سلطان کے تسلط سے علیحدہ ہو جائے۔ اس غرض سے وہ اکثر وہاں کے باشندوں کو ورغلاتے اور سلطان کے خلاف بغاوت کرتے رہتے۔ اُنہوں نے اس سے زیادہ یہ کیا کہ بہت سے ترکوں کو بلا وجہ قتل کر دیا اور اپنے ساٹھ جہازوں کے ساتھ مقام اینوز پر قبضہ کر لیا۔ اہل بندقیہ کی بیوجہ چیرہ دستی نے سلطان کو اُن کے مقابلہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں سلطنتوں میں ایک طویل سلسلہ جنگ چھڑ گیا ۱۴۷۰ء میں ترکوں نے جزیرہ اغریبوز پر قبضہ کر لیا جو بندقیہ کے جزائر بحر روم کی نوآبادیات کا صدر مقام تھا۔

اس جزیرہ پر حملہ کرنیوالے ترکوں کا سر عسکر سلطان فاتح کا نامور وزیر اعظم محمود پاشا تھا جو سو جنگی جہازوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔ اہل بندقیہ کو اس حملہ کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے امیر البحر نکولس کی ماتحتی میں اسی جہازوں کا ایک بیڑہ اہل جزیرہ کی مدد کو بھیجا۔ مگر امدادی بیڑہ کے آنے سے پہلے ترک جزیرہ پر فتح کا جھنڈا اُڑا چکے تھے جسے دور سے دیکھکر نکولس مع اپنے جہازوں کے پلاس یا نداس کی طرف بھاگ گیا۔ ۱۴۹۹ء میں ترکوں نے پھر مقبوضات بندقیہ پر حملہ کیا اور کروا سیا و ڈلماسیا دونوں اقالیم سے فتوحات حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یہ حالت دیکھکر بندقیہ والوں کو خوف ہوا کہ کہیں عثمانی ہمارے اصل شہر پر قابض ہو جائیں۔ اسلئے اُنہوں نے ایک لاکھ اشرفی سالانہ خراج دینے کے وعدہ پر سلطان سے صلح کر لی اور شہر کرویہ یعنی آقچہ حصار کو جو اسکندر بیگ البانی کا صدر مقام تھا ترکوں کے حوالے کر دیا۔

سلطان نے اہل بندقیہ کے اور شہروں پر بھی قبضہ کر لیا جنمیں شہر اشقودرہ خاص اہمیت رکھتا۔ ان مقامات مفتوحہ میں بندقیہ والوں کو

چند تجارتی رعائتیں عطا کردی گئیں۔ بندقیہ اور ترکی کے درمیان یہ معاہدہ ۸۴۳ھ میں ہوا

اہل جنیوا و ترکوں کی لڑائیاں

اور کریمیا کی فتح

سلطنت جنیوا بھی یورپ کی زبردست سلطنت اور ترکوں کی قدیم دشمن تھی۔ سلطان فاتح نے ۸۸۰ھ میں اپنے جدید وزیر اعظم احمد پاشا کو اہل جنیوا پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ یہ مقامات جن پر حملہ کرنے کیلئے احمد پاشا کو روانہ کیا گیا تھا جزیرہ نمائے کریمیا سے متعلق تھے۔

مشرقی روس۔ جزیرہ نمائے کریمیا اور تمام وہ مقامات جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہیں۔ ان پر چنگیز خاں ہلاکو کے زمانہ سے تاتاری امرا کی حکومت چلی آتی تھی۔ جنہوں نے عہد تیمور لنگ میں اسلام قبول کر لیا۔ تیمور نے ممالک قازان۔ اژدرہان، کریمیا، قبچاق کے تاتاریوں کو متحد بنا کر ان سے قبچاق کی حکومت ترتیب دی اور یہ حکومتیں ایک عرصہ تک قوی اور فاتح رہ کر حکمرانی اور فرمانروائی کرتی رہیں۔ مگر ایک مدت گذر جانے کے بعد ان میں کمزوریاں اور بدانتظامیاں پیدا ہو گئیں اور اہل جنیوا نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر آزاق۔ کفہ، سکوب وغیرہ بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا اور ان مقامات میں تجارتی گودام کھول دیئے۔ جن میں موجود رہ کر مسلمانوں کے ملکوں میں ہنگامے اور فتنے برپا کرتے اور فوائد حاصل کرتے۔

الغرض مندرجہ بالا مقامات کو اہل جنیوا سے واپس لینے کیلئے سلطان

نے ان پر حملہ کیا۔ صدر اعظم احمد پاشا تین سو جنگی جہازوں کا بیڑہ لیکر بندر گاہوں کی طرف روانہ ہوا۔ اور متعدد لڑائیوں کے بعد اہل جنیوا کو نکال کر ان پر قبضہ کر لیا۔

اسی زمانہ میں قبچاق کے آخری فرمانروا حاجی کرائے نے انتقال کیا تھا اور اس کے بارہ بیٹے تخت حاصل کرنے کیلئے خانہ جنگی کر رہے تھے جس سے ملک کی حالت نہایت ابتر ہو رہی تھی اور امن وامان درہم ہو گیا تھا۔ علمائے قبچاق اور معززین شہر نے ایک محضر تیار کر کے سلطان کی خدمت میں بھیجا اور درخواست کی کہ شہزادگان قبچاق میں مصالحت کرا کے ملک میں امن وامان قائم کرا دیا جائے۔

یہ وہ وقت تھا کہ سلطانی بیڑہ جنیوا والوں کو شکست دیکر واپس آرہا تھا جب یرقیا یول کے زمرہ میں حاجی کرائے کا بیٹا منکلی کرائے بھی تھا سلطان کو اسکے حالات کی خبر ہوئی تو اس کے ساتھ نہایت لطف وعنایت سے پیش آئے اور اسکے محضر دکھایا۔ ازاں بعد اسے خان کریمیا مقرر کر کے اسکے ملک کو واپس کر دیا۔ اسی وقت سے کریمیا مقبوضات ترکی کا ایک ممتاز صوبہ قرار پا گیا اور اسکے تجارتی فوائد ترکوں کو حاصل ہونے لگے ۸۸۴ھ میں سلطان نے پھر مقبوضات جنیوا پر فوج روانہ کی اور سلطان کے ایک افسر نے جس کا نام سنجق قوجہ ایلی تھا۔ تیس جنگی جہازوں کو لے کر قلعہ بونہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔

حملہ جزیرہ روڈس

روڈس بحر متوسط کا ایک جزیرہ ہے جس میں اسی نام کا ایک شہر اور بندرگاہ بھی ہے۔ شہر کو قدیم فصیلیں اور برج اپنے حلقہ میں لئے ہیں جو میری یوحنا کے نائٹوں کی تعمیر ہیں۔ اس شہر کے دو پھاٹک ہیں جو ایک

دوسرے سے ایک تنگ اور تحت قطعہ زمین کے ذریعہ سے جدا ہوتے
ہیں۔ شمال غرب حصہ گھاٹ کے کنارے سے پر گرینڈ نائٹ کا شاندار محل
واقع ہے اور وہی نائٹوں کے رہنے کی جگہ اور ایک قلعہ قدیم یادگاریں تصور
کی جاتی ہیں۔ اسکے چھوٹے بندرگاہ کے دہانہ پر ایک برج بنا ہوا ہے۔
جس پر اپولون کا مشہور بت نصب تھا اور جو قدیم الایام کی مستند یادگار
مانا جاتا تھا اور دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا تھا اور اسکو
روڈس کا تانبے والا بت کہتے تھے۔ یہ بت ان جنگی آلات سے تیار کیا گیا تھا
جو دیمتریوس پولوکریٹ سکندر اعظم کے جانشین نے یادگار چھوڑے تھے
اسٹرابون کا مورخ بیان کرتا ہے کہ شہر روڈس اپنے موقع کی خوشنمائی سے
تمام دنیا کے شہروں سے فوقیت رکھتا تھا۔ روڈس کا امیر ان صلیبی مجاہدین
کے کسی امیر کی نسل سے تھا جو ملک شام سے خارج کئے جانے کے بعد اس
جزیرہ پر قابض ہو کر یہاں مسکن پذیر ہو چکے تھے اور انہوں نے اس میں
بہت سے مستحکم قلعے تعمیر کر لئے تھے۔

۸۸۵ھ میں اس جزیرہ پر ترکی حملہ ہوا۔ حملہ کی دو مختلف وجہیں بیان
کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ والئ روڈس کے جنگی جہاز سلطانی جہازوں
پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار مچاتے جسکی خبر پا کر ترکوں نے روڈس پر حملہ کیا دوسری
وجہ حملہ آوری کی یہ ہے کہ روڈس کا حکمران طبقہ باوجود عیسائی ہونے کے اپنے
ہم مذہب عیسائی رعایا پر ظلم و ستم کرتا جس سے تنگ آکر رعایا نے سلطان
محمد ثانی خاں سے درخواست کی کہ آپ ہم لوگوں کو مظالم سے نجات دلائیے

الغرض ۸۸۵ھ میں سلطان نے مسیح پاشا کو (جس کا اصلی نام سٹیفن تھا
اور قیصر کے گھرانیکا تھا۔ بعد فتح قسطنطنیہ کے اسلام کا سچا جاں نثار بن گیا)
ایک سو ساٹھ جنگی جہازوں کا بیڑہ دیگر جزیرہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ
کیا۔ ان جہازوں پر تقریباً ایک لاکھ سپاہ تھی۔ راستہ کے چھوٹے چھوٹے

مقامات کو فتح کرتے ترک خاص شہر تک پہنچ گئے اور محاصرہ کر لیا۔ چار ماہ تک قائم رہا اور ترک اس پر برابر گولہ باری کرتے رہے۔ آخر الامر ترک قلعہ میں داخل ہو گئے اور عساکر افواج عثمانیہ نے قلعہ کی چھت پر عثمانی علم نصب کر دیا مسیح پاشا نے اعلان کیا کہ کوئی سپاہی رعایا کی جان و مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے۔ کچھ اس اعلان نے ترکوں کو سست کر دیا۔ کچھ اس حالت نے کہ ایک حد تک قلعہ میں فوج داخل ہو چکی تھی اور علم عثمانی اڑایا جا چکا تھا فوج کو ادھر ادھر منتشر کر دیا۔ اہل قلعہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ترکوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ترک بھاگ بھاگ کر اپنے جہازوں پر واپس آ گئے اور فتح جزیرہ روڈس بجائے کیلئے موخر ہو گئی۔

سلطان فاتح کی وفات

جزیرہ روڈوس میں ترکی فوج کو جو ناکامی ہوئی اس نے سلطان کو اور بھی مستعد بنا دیا۔ وہ اس جزیرہ کی فتح کیلئے ایک عظیم الشان تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ساتھ ہی وہ فتح مملکت اطالیہ کیلئے بھی فوجیں جمع کر رہے تھے کہ پیغام اجل آ گیا اور دنیا کے بلند اقبال سلطان اور نامور فاتح نے ۸۸۶ھ میں ماہ جمادی الاول کی پانچویں تاریخ کو بمقام لکبیوزہ دنیائے دنی کو خیرباد کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلطان مرحوم کا مدفن انہیں کی بنا کردہ مسجد جامع قسطنطنیہ میں واقع ہے خداوند غفور الرحیم قیامت تک انکی خوابگاہ کو منزل رحمت رکھے۔

سلطان مرحوم نے دو بیٹے چھوڑے تھے۔ ایک کا نام بایزید تھا اور دوسرے کا نام جمشید۔ مرحوم کے بعد دونوں بھائیوں میں تخت کیلئے اختلاف ہوا۔ جس میں بایزید کامیاب ہوا۔ اور جمشید بھاگ کر پوپ روم کے پاس گیا جہاں اس کا انتقال ہو گیا۔

سلطان فاتح کے عادات و خصایل اور انکے اوصاف و دیگر ذاتی حالات

مرحوم نے ۵۲ برس کی عمر پائی اور ۳۱ برس تک اقبال مندی کیساتھ حکومت کی۔ جبر اور کلیتہً بارہ سلطنتوں کو اپنے قبضہ میں لئے۔ ان بلاد اور شہروں کی مجموعی تعداد دو سو تھی جو عہد سلطان فاتح میں قلمرو سے عثمانیہ میں شامل ہوئے ان میں یونان کا پایہ تخت ایتھنز اور اٹلی کا شہر ٹرانٹ بھی شامل تھا۔ اول الذکر فتح کے ساتھ یونان کا خاتمہ ہوگیا۔ اور موخر الذکر تسخیر نے پوپ آف روما کو اس قدر خوف زدہ کر دیا کہ وہ کوہ آلپس میں پناہ گزیں ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ روٹرانٹ کے علاوہ بھی سلطان نے اٹلی کے بہت سے نامی گرامی بلاد فتح کر لئے تھے لیکن تکمیل فتح کا وقت آیا تو انہیں پیغام مرگ کو لبیک کہنا پڑا۔

سلطان مرحوم کے عہد میں ترکی بحری قوت نے بھی بیجا ترقی حاصل کی۔ یہاں تک کہ مورخین نے سلطان فاتح کو سلطنت عثمانیہ کی بحری قوت کا بانی مبانی تسلیم کیا ہے۔ ان کے مبارک عہد میں بحر اسود کے تقریباً تمام اطراف اور پورے بحر مارمورہ اور یونانی مجمع الجزائر کے اکثر حصوں پر سلطنت عثمانیہ کا تصرف ہوگیا۔

سلطان فاتح سے پہلے مغرب کے حکمران فرمانروایان آل عثمان کو شہنشاہ تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن آپ نے تسلیم کرا کے چھوڑا اور مورخین عالم سے فاتح کا جلیل القدر لقب حاصل کیا۔ سلطان مرحوم نے سلطنت عثمانیہ کی جسطرح فتوحات سے ترقی بخشی اسیطرح اندرونی فسادات و خرابیوں کو رفع کر کے اسے مستحکم بھی بنا دیا اور ایسے امرا کو جو باوجود سلطانی ماتحتی کے موقع بموقع نقصان رسانی سے باز نہ آتے تھے حکومت سے علیحدہ کر کے اُنکے ممالک کو سلطنت سے ملحق کر لیا۔ امیر قرامان اسحاق بیگ [illegible] حسن؛ انہیں سرشریر امرا میں تھے جو مقبوضات سلطانی میں طوائف الملوکی [illegible]

جو بیار کے مستعد ہوتے تھے چنانچہ اول الذکر کو گرفتار کرکے اسے محروم الحکومت کردیا اور موخر الذکر کے مقبوضات کو
چھین لیا اسکی اولاد کا خاتمہ کردیا۔ یہ میر تیمور لنگ کا خلیفہ تھا اور دریائے جیحون و فرات کے مشرقی و مغربی ممالک
پر قابض تھا۔ سلطان محمد خان جسطرح فوجی امور میں پوری مہارت رکھتے تھے اسی طرح
انتظامی قابلیت بھی حاصل تھی جسکی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی رعایا کیلئے جو
قوانین بنائے تھے ان کا انتخاب دوسرے حکمرانوں نے اپنے ممالک میں جاری کیا تھا
سلطان کے حسن انتظام کا ایک بہت بڑا سبب بھی تھا۔ وہ یہ کہ انکی طبیعت

جمہوریت پسند

پسند واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کا دستور تھا کہ جب کوئی نیا قانون وضع کرتے تو اسکے
نفاذ سے پہلے اسکی نسبت قاضیوں سے مشورہ کرتے اور جبتک انکی رایوں کو
جمع کرکے ان پر پوری طرح غور و خوض نہ کرلیتے قانون کو جاری نہ کرتے۔ جمہوریت
کی طرح وہ **مساوات** کے بھی دلدادہ تھے۔ چنانچہ جو قوانین انہوں نے رعایا
کیلئے مروج کئے تھے بذات خود انکی پابندی کرتے۔ اپنی رعایا کیساتھ جسمیں مختلف
اقوام و ملل کے لوگ شامل تھے یکساں برتاؤ کرتے۔ خود شاہی قوم مسلم کی کوئی
خصوصیت نہ تھی۔ رعایا کیساتھ جو سلوک کیا جاتا وہی اُسکے ساتھ بھی ہوتا۔
کوئی قابل شخص محض اسلئے حصول مدارج و ترقی سے محروم نہ رکھا جاتا کہ وہ کسی
چھوٹی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح کوئی عالی نسب شخص بحالت ناقابلیت
ہرگز درجات حاصل نہ کرسکتا۔ جو فرمانروا جمہوریت پسند اور حامی مساوات ہو اُسکی

معدلت گستری

مسلّم کلام ہوسکتا ہے۔ یہی وہ باتیں تھیں جنکی وجہ سے عیسائی اپنے ہم مذہب
بادشاہوں کی رعایا بننے کے مقابلہ میں مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنے کو ترجیح دیتے
تھے اور اپنے آبائی ملک کو چھوڑ کر ترکی عملداری میں بستے تھے۔ سلطان مرحوم کو

علم

سے بڑی محبت تھی۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ صاحب علم و فضل فرمانروا تھے۔ عربی۔ ترکی

فارسی، یونانی، لاطینی وغیرہ متعدد زبانوں میں بخوبی گفتگو کر لیتے تھے۔ اور نہ صرف
گفتگو بلکہ ان زبانوں میں نوشت وخواند کی بھی قابلیت رکھتے تھے۔ چنانچہ اہل
بندقیہ اور جنیوا کے شعراء لاطینی زبان میں جو قصائد مدحیہ سلطان کی خدمت میں
پیش کرتے وہ اسے بخوبی پڑھ لیتے۔ علوم جغرافیہ، ریاضی، تاریخ میں بھی انکو
اچھی معلومات حاصل تھی۔ سکندر اعظم اور جولیس سیزر وغیرہ مشہور بادشاہوں
کی سوانح عمریاں ان کو ازبر تھیں وہ انکو ہر وقت پیش نظر رکھتے اور ان کا ہمسر
بننے کی کوشش کرتے۔ یورپ کے مخالف مورخین نے سلطان کی قابلیت علمی
اور انکی علم دوستی کا اعتراف کیا ہے جب وہ خود صاحب علم وفضل تھے تو ظاہر
ہے کہ کس قدر

علماء کی قدردانی

کرتے رہے ہونگے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے جو فارس کے ایک نامور
شاعر تھے سلطان کی مدح میں ایک قصیدہ تصنیف کرکے بارگاہ سلطانی میں ارسال
کیا تھا۔ سلطان نے اُنکے نام ایک مستقل سالانہ رقم جاری کردی تھی جو برابر
اُن کے پاس پہنچ جایا کرتی تھی۔
بندقیہ میں ایک باکمال مصور رہتا تھا جس کا نام "جنیٹلی بلینیو" تھا۔ سلطان نے
اس کے کمال کا شہرہ سنکر دربار میں طلب کیا اور اُسکی بڑی قدرومنزلت
کی۔ رخصت کیوقت نقد وجواہرات کا کنٹھا اور سونے کا تاج مرحمت فرمایا۔
سلطان کو

ترویج علم

میں خاص دلچسپی تھی۔ انہوں نے قسطنطنیہ میں آٹھ کالج قائم کیے تھے
قصبات ومواضعات میں ابتدائی تعلیم کیلئے جو مکاتب ومدارس تھے اُنکی تعداد
تو بہت ہی بڑھی ہوئی تھی۔ دارالسلطنت کے کالجوں میں جس قسم کی تعلیم دیجاتی
تھی وہ اس عہد کے مطابق اعلےٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ لندن وپیرس میں جو کالج اس
وقت قائم تھے اُنکی تعلیم بھی سلطانی کالجوں کی تعلیم سے عمدہ نہ ہوتی تھی۔ سلطانی

کالجوں میں صرف، نحو، منطق، فلسفہ، ہیئت، اقلیدس، ماخذ اشتقاق، انشا،
فصاحت، و بلاغت، ہر علم کی تعلیم دیجاتی تھی۔ جو طالب علم پورے نصاب کو ختم کرکے
امتحان میں کامیابی حاصل کرتا تھا اسکو "دانشمند" کا خطاب دیا جاتا تھا۔ جو طلبار
فارغ التعلیم ہو کر کسی ایسے صیغہ میں ملازمت کے خواستگار ہوتے تھے جس میں
قانون دانی کی ضرورت ہوتی تھی تو اُن کو مجموعہ قوانین کا امتحان الگ دینا پڑتا تھا۔
اونچے درجہ کے طلبار کے امتحان میں سلطان خود شریک ہوتے اور امتحان لیتے۔
سلطان مرحوم کے عہد میں علم کو جو عروج حاصل ہوا اُسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ
اس زمانہ میں حصول مدارج و ترقی کا بہترین ذریعہ علم تھا۔ ہر شعبہ سلطنت میں
تعلیم یافتہ کو غیر تعلیم یافتہ پر ترجیح دیجاتی تھی اور اُس کیلئے حصول عزت و جاہ کا
دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

خادم الحفاظ، ابومحمد امام الدین رامنگری بنارسی
۷ ذی الحج ۱۳۳۶ ہجری المقدس